

# امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

The e-Book of Ahlesunnat Network

مصنف

علامہ سید شاہ تراز الحق قادری

## باب اول (1)

نام و نسب:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ”نعمان“ اور کنیت ”ابو حنیفہ“ ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ آپ کے نام کے متعلق یہ لطیف نکتہ لکھتے ہیں، نعمان کے معنی لغت میں اس خون کے ہیں جس پر بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ جسم کے تمام اعضاء کام کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اسکے معنی روح کے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام اعظم کی ذات گرامی دستور اسلام کے لیے بنیاد و محور اور فقہی مسائل و تعلیمات کے لیے روح کی طرح ہے۔ (الخیرات الحسان: ۷۰)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا نام ”ثابت“ ہے۔ آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ فارسی النسل ہیں اور خدا کی قسم! ہم کبھی کسی کی فلامی میں نہیں رہے۔ ہمارے دادا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انکے دادا اپنے نو مولود بیٹے ثابت کو لیکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انکے لیے اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔ (تمییز الصحیفہ: ۵)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمہ اللہ کے گھر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اعظم کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرے تعلقات تھے۔ آپ نے نوروز کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا تحفہ بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہمارے لیے ہر دن نوروز ہے۔ (ایضاً)

ان روایات میں حضرت اسماعیل رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بتایا ہے جبکہ بعض روایات میں ان کا نام زوطی بن ماہ بیان ہوا ہے۔ اس اختلاف کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ ایک راوی نے انکے نام لکھے ہوئے اور دوسرے نے القاب بیان کیے ہوئے۔ بعض کے بقول جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام نعمان سے بدل دیا گیا اس لیے اسماعیل رحمہ اللہ نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا اسلامی نام نعمان لیا اور اسلامی حمیت کا یہی تقاضا تھا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۵۳)

امام اعظم کی کنیت:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی کنیت ابو حنیفہ تھی۔ اکثر تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے صرف ایک بیٹے حماد تھے۔ انکے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ آپ کی کنیت ”ابو حنیفہ“ کی مندرجہ ذیل توجیہات بیان کرتے ہیں:-

☆..... ”حنیفہ“ حنیف کا تانیث ہے جس کے معنی ہیں، عبادت کرنے والا اور دین کی طرف راغب ہونے والا۔

☆..... آپ کا حلقہ درس وسیع تھا اور آپ کے شاگرد اپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے۔ چونکہ اہل عراق دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اس لیے آپ کو ابو حنیفہ کہا گیا یعنی دوات والے۔

☆..... آپ کی کنیت وضعی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابوالملہ الحنفیہ۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے،

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ (ال عمران: ۹۵) امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔ اس کا مفہوم ہے، ”باطل ادیان کو چھوڑ کر دین حق اختیار کرنے والا“۔ (الخیرات الحسان: ۷۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر اسی کنیت کے ساتھ ”توریت“ میں آیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر توراۃ میں ہے۔ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اس میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایک نور ہوگا جس کی کنیت



ابوحنیفہ ہوگی۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے لقب سرانجام الامۃ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (تعارف فقہ و تصوف: ۲۲۵)

بشارات نبوی ﷺ:

علامہ موفق بن احمد کی رحمت اللہ (م ۵۷۸ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،

”میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا، وہ قیامت میں میری امت کا چراغ ہے۔“ (مناقب للموفق: ۵۰)

آپ نے یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! حضرت لقمان کے پاس حکمت کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمن حکمت سے ایک دانہ بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایہ ہوتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں ایک ایسا مرد ہوگا جو حکمت کے خزانے سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا اور آپ کی امت کو آپ کے احکام سے آگاہ کرے گا۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابوحنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈالنا۔ حضور ﷺ کی یہ امانت یعنی لعاب دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔ (ایضاً: ۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، میری امت میں ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔ (ایضاً: ۵۱)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام لے کر آپ کی فضیلت بیان کی ہے لیکن ان احادیث پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے البتہ نبی کریم ﷺ کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک بشارت ایسی ہے کہ جس پر محدثین کرام متفق ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی، ”ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی تلاش میں نکلیں گے مگر مدینہ منورہ کے ایک عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے۔“

اور ایک حدیث میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی کہ ”قریش کو برانہ کہو کیونکہ ان میں کا ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا۔“

اور میں کہتا ہوں کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے حافظ ابو نعیم نے الحلیہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ”اگر علم ثریا کے پاس ہو تو فارس کے جو انمردوں میں سے ایک مرد ضرور اس تک پہنچ جائے گا۔“

اور شیرازی نے ”اللقاب“ میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا، ”اگر علم ثریا یعنی آسمان کے پاس ہو تو بھی مردانِ فارس سے کچھ لوگ ضرور اسے حاصل کر لیں گے۔“ یہ حدیث امام طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں یہ ہیں، لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَازَلَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسٍ۔ ”اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تو فارس کے کچھ لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔“

اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں،

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِنْ أُمَّةٍ فَارِسَ حَتَّى يَتَنَازَلَ۔ ”اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تو مردانِ فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اس کو حاصل کر لے گا۔“

نیز معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، ”اگر دین آسمان کے پاس ہو تو یقیناً فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کر لیں گے۔“

ان روایات کے بعد امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”یہ ایک صحیح اصل ہے جس سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان اور فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور یہ امام

مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی حدیثوں کی مانند اور مثل ہے۔ اور یہ صحیح اصل، ہمیں موضوع خبروں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ (تمیض الصحیفہ: ۷)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آقا و مولیٰ ﷺ نے سورۃ جمعہ کی آیت و آخرین منهم لما یلحقوا بہم تلاوت فرمائی تو کسی نے دریافت کیا، آقا! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ آپ جواب میں خاموش رہے۔ جب بار بار سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا،

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلَاءِ۔

”اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔“ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب الجمعۃ)

امام سیوطی اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بخاری و مسلم کی ان حدیث سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کو مراد لیا ہے کیونکہ فارس کے علاقوں سے کوئی ایک شخص بھی امام اعظم جیسے علم و فضل کا حامل نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو آپ جیسا بلند مقام نصیب ہوا۔

یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ امام جلال الدین سیوطی، امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں نیز حافظ ابن حجر عسقلانی مکی بھی حنفی نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں اور ان دونوں بزرگوں نے امام اعظم کی فضیلت پر بالترتیب ”تمیض الصحیفہ“ اور ”الخیرات الحسان“ تحریر کیں اور بخاری و مسلم کی مذکورہ حدیث کا مصداق امام ابو حنیفہ ہی کو قرار دیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ کی شان میں آقا و مولیٰ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ:

انہ قال ترفع زینۃ الدنیا سنۃ خمسین ومائۃ۔ ”دنیا کی زینت ایک سو پچاس سن ہجری میں اٹھالی جائے گی۔“ اس حدیث کی شرح میں شمس

الائمۃ امام کردری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ پر صادق آتی ہے کیونکہ آپ ہی کا انتقال اس سن میں ہوا۔“ (الخیرات الحسان: ۵۳)

علماء کرام نے اس حدیث کا مصداق سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اس لیے قرار دیا کیونکہ اُس سال دنیا کے سب سے بڑے اور معروف جس عالم دین کا وصال ہوا، وہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

آپ کا سن ولادت:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ کے بقول امام اعظم کا یہ سن ولادت ”اہل حدیث“ نے مشہور کیا ہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۳)

خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۶۱ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳: ۳۳۰)

اس پر علماء از ہر نے درج ذیل حاشیہ لکھا ہے۔ ”قدیم علماء کرام کی وہ جماعت، جس نے امام ابو حنیفہ کی ان روایات کی تدوین کی ہے جو آپ نے صحابہ کرام سے کی ہیں، اس نے اس قول کی طرف میلان کیا ہے جیسے ابو معشر طبری شافعی وغیرہ۔“

”حضرت امام اعظم ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت میں اختلاف ہے۔ علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے ۷۰ھ کو دلائل وقرائن سے ترجیح دی ہے۔

آپ ۸۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے۔ وہاں صحابی رسول حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور ان سے حدیث سنی۔ ۹۶ھ میں پھر حج کو گئے اور جو صحابہ زندہ تھے ان سے ملے۔“ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۳ بحوالہ مقدمہ انوار الباری)

علامہ قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صمری اور امام ابن عبدالبر متصل سند سے قاضی القضاۃ امام ابویوسف رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا کہ میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ وہاں میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جن کے گرد

لوگوں کا جھوم تھا۔ میرے والد نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ ہیں اور لوگ انکے گرد اس لیے جمع ہیں تاکہ ان سے رسول کریم ﷺ کی حدیثیں سنیں۔ میں نے عرض کی، آپ مجھے بھی انکے پاس لے جائیں تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں۔ چنانچہ وہ مجمع کو

چیرتے ہوئے مجھے لیکر آگے بڑھے یہاں تک کہ میں انکے قریب پہنچ گیا اور میں نے انہیں یہ فرماتے سنا۔ ”میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جس



نے دین کی سمجھ حاصل کر لی، اسکی فکروں کا علاج اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔“

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ امام اعظم کی ولادت ۷۷ھ کی ہے۔ اس کے متعلق علامہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”عاجز کے نزدیک یہ روایت دوسری روایتوں سے ترجیح اور قابل اعتماد ہے اور حضرت امام عالی مقام کا سال ولادت ۷۷ھ ہے۔“

(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۲ بحوالہ اخبار ابی حنیفہ و جامع بیان العلم)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے متعلق فرماتے ہیں،

زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بہت سے محققین نے ۷۷ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔ (مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۹)

امام اعظم تابعی ہیں:

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں، ”علامہ ذہبی سے منقول صحیح روایت سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا دیدار کیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امام اعظم نے فرمایا، ”میں نے کئی مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، وہ سرخ خضاب لگاتے تھے۔“ اکثر محدثین کا اتفاق ہے کہ تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کا دیدار کیا ہو۔ (الخیرات الحسان: ۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱: ۳۷۸)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تابعی ہونے کے متعلق جب شیخ الاسلام حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا،

”امام ابو حنیفہ نے صحابہ کرام کی ایک مبارک جماعت کو پایا ہے۔ آپ کی ولادت (ایک روایت کے مطابق) ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ وہاں اسوقت صحابہ کرام میں سے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے۔ ان کا وصال ۸۸ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ اسی زمانہ میں بصرہ میں سیدنا انس بن مالک تھے۔ ان کا انتقال ۹۰ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ ابن سعد نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ ان دونوں صحابیوں کے علاوہ بھی بکثرت صحابہ مختلف شہروں میں ان کے بعد زندہ موجود تھے۔ رضی اللہ عنہم

بلاشبہ بعض علماء نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات کے بارے میں رسالے تصنیف کیے ہیں لیکن انکی اسناد وہاں ضعف سے خالی نہیں۔ میرے نزدیک مستند بات یہ ہے کہ امام اعظم نے بعض صحابہ کرام کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی جیسا کہ مذکور ہوا، یہ بات ابن سعد نے بھی کہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم تابعین کے طبقہ میں سے ہیں اور یہ بات بلا واسطہ میں ان کے ہم عصر کسی امام کے لیے ثابت نہیں خواہ شام میں امام اوزاعی ہوں یا بصرہ میں حماد بن ہول یا کوفہ میں امام ثوری ہوں یا مدینہ میں امام مالک ہوں یا مصر میں لیث بن سعد ہوں۔ (تمییز الصحیفہ: ۹)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو معشر طبری شافعی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں صحابہ کرام سے امام اعظم کی مروی احادیث بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے ان سات صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔

(۱) سیدنا انس بن مالک (۲) سیدنا عبداللہ بن حارث بن جزء (۳) سیدنا جابر بن عبداللہ (۴) سیدنا معقل بن یسار (۵) سیدنا وائلہ بن الاسقع (۶) سیدنا عبداللہ بن انیس (۷) سیدنا عائشہ بنت عجر و رضی اللہ تعالیٰ عنہم، جمعین۔

امام اعظم نے سیدنا انس سے تین حدیثیں، سیدنا وائلہ سے دو حدیثیں جبکہ سیدنا جابر، سیدنا عبداللہ بن انیس، سیدنا عائشہ بنت عجر و اور سیدنا عبداللہ بن جزء سے ایک ایک حدیث روایت فرمائی ہے۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی سے بھی ایک حدیث روایت فرمائی ہے اور یہ تمام احادیث ان طریقوں کے سوا بھی وارد ہوئی ہیں۔ رضی اللہ عنہم، جمعین (تمییز الصحیفہ: ۷)

سات صحابہ کرام سے احادیث روایت کرنے کا ذکر خود امام اعظم نے بھی کیا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے، ”میں رسول کریم ﷺ کے سات صحابہ سے ملا ہوں اور میں نے ان سے احادیث سنی ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۶۰)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو سات صحابہ کرام سے براہ راست احادیث سننے کا شرف حاصل ہے۔

در مختار میں ہے کہ امام اعظم نے بیس (۲۰) صحابہ کرام کا دیدار کیا ہے۔ خلاصہ اکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ آپ نے چھبیس (۲۶) صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۲ از شاہ ابوالحسن زید فاروقی)

اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کا سن ولادت ۸۰ھ مان لیا جائے تو اس وقت مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف شہروں میں موجود تھے۔

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہ متوفی ۸۱ھ۔

۲۔ حضرت طارق بن شہاب کو فی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۲ھ۔

۳۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ۔

۴۔ حضرت وائلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن جزء رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔

۶۔ حضرت عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔

۷۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔

۸۔ حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ یا ۸۸ھ۔

۱۰۔ حضرت عتبہ بن عبدالمسلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔

۱۱۔ حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔

۱۲۔ حضرت اہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ۔

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۲ھ۔

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۹ھ۔

۱۵۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ۔

۱۶۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ۔

۱۷۔ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۹ھ۔

۱۸۔ حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ۔

۱۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ یا ۹۵ھ۔

۲۰۔ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ متوفی ۹۳ھ۔

۲۱۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ۔

۲۲۔ حضرت ابوامامہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۰ھ۔

۲۳۔ حضرت ابوالطفیل عامر بن وائلہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۲ھ یا ۱۱۰ھ۔

۲۴۔ حضرت ابوالبداح رضی اللہ عنہ متوفی ۱۱۷ھ۔

اب اگر امام سیوطی رحمہ اللہ کی تحریر کردہ فہرست سے بقیہ نام (حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت عبداللہ بن انیس، حضرت عائشہ بنت عمر رضی اللہ عنہم) بھی اس فہرست میں شامل کر لیے جائیں تو صحابہ کرام کی یہ تعداد 28 تک پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ محققین علماء کے نزدیک امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے اس لیے انہیں مزید ان 16 صحابہ کرام کا زمانہ بھی نصیب ہوا۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ۔ ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ۔ ۳۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

متوفی ۷۳ھ۔ ۴۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ۔ ۵۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ۔ ۶۔ حضرت سلمہ

بن اکوع رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۷۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ یا ۹۱ھ..... ۸۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ..... ۹۔ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ..... ۱۰۔ حضرت سائب بن خباب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۷ھ..... ۱۱۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ..... ۱۲۔ حضرت عبد اللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ..... ۱۳۔ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۱۴۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۱۵۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۱۶۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ۔

آخر الذکر چار صحابہ کرام کا وصال کوفہ میں ہوا ہے اس لیے سن پیدائش ۷۰ھ ہونے کی صورت میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یقینی طور پر ان صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر میں بچپن (۵۵) حج کیے ہیں۔ حضور ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ جن کا وصال ۱۰۲ھ میں یا دوسری روایت کے مطابق ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا جبکہ امام اعظم نے پہلا حج امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی مشہور روایت کے مطابق سولہ سال کی عمر میں ۹۳ھ میں اور علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ۸۷ھ میں کیا۔

اگر ہم آپ کا سن ولادت ۷۷ھ لیں تو امام اعظم نے حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں دس حج کیے اور دوسری روایت کے مطابق (اگر ان کا سن وصال ۱۱۰ھ مانیں تو) اٹھارہ حج کیے۔

اگر ہم صرف ان صحابی کی مثال لیں کہ جن کی زیارت و ملاقات سے تابعی ہونے کا شرف مل رہا ہو اور اس سعادت کا حصول مشکل بھی نہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم دس یا اٹھارہ بار کوفہ سے حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوں اور ایک مرتبہ بھی حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی سعادت حاصل نہ کی ہو جبکہ اُس زمانے میں صحابی کی زیارت کے لیے لوگ دوسرے شہروں کا سفر کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ ۷۷ھ کی پیدائش کے لحاظ سے آپ کی عمر کے پندرہویں سال تک (حضرت عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۵ھ) اور آپ کی عمر کے دسویں سال تک (جبکہ ۷۰ھ کی پیدائش کے لحاظ سے سترہویں سال تک) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۷ھ) آپ ہی کے شہر کوفہ میں موجود تھے۔ چنانچہ اُس زمانے کے دستور کے مطابق لامحالہ آپ کے گھر والے آپ کو ان صحابہ کرام کی دعائے برکت کے حصول کے لیے انکی بارگاہ میں لے گئے ہونگے۔

آپ کے شرفِ تابعت کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ آپ نے نہ صرف متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی بلکہ ان سے احادیث بھی روایت کیں جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی شافعی، امام ابن حجر مکی شافعی اور علامہ علاء الدین حصکفی رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں اور ان احادیث رسول ﷺ کے مصداق ہیں۔

☆ ”میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں۔“ (بخاری، مسلم)

☆ ”اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ)

علم کی طرف رغبت:

امام اعظم رحمہ اللہ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں، میں ایک دن بازار جا رہا تھا کہ کوفہ کے مشہور امام شععی رحمہ اللہ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا، بیٹا کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کی، بازار میں کاروبار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، تم علما کی مجلس میں بیٹھا کرو، مجھے تمھاری پیشانی پر علم و فضل اور دانشمندی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ان کے اس ارشاد نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے علم دین کے حصول کا راستہ اختیار کیا۔ (مناقب للموفق: ۸۴)

امام اعظم رحمہ اللہ نے علم کلام کا گہرا مطالعہ کر کے اس میں کمال حاصل کیا اور ایک عرصہ تک اس علم کے ذریعہ بحث و مناظرہ میں مشغول رہے۔ پھر انھیں الہام ہوا کہ صحابہ اور تابعین کرام ایسا نہ کرتے تھے حالانکہ وہ علم کلام کو زیادہ جاننے والے تھے۔ وہ شرعی اور فقہی مسائل کے حصول اور ان کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی توجہ مناظروں سے ہٹنے لگی۔ آپ کے اس خیال کو مزید تقویت یوں ہوئی کہ آپ امام حماد رحمہ اللہ کے حلقہ درس کے



قریب رہتے تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے وہ کیا طریقہ اختیار کرے؟ آپ نے اسے حضرت حماد رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا اور فرمایا کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتا کر جانا۔ امام حماد رحمہ اللہ نے فرمایا، وہ شخص عورت کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں۔ تیسرے حیض کے اختتام پر وہ عورت غسل کرے گی اور نکاح کے لئے آزاد ہوگی۔ یہ جواب سن کر امام اعظم رحمہ اللہ اسی وقت اٹھے اور امام حماد رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد رحمہ اللہ کی گفتگو اکثر یاد کر لیا کرتا اور مجھے ان کے اسباق مکمل طور پر حفظ ہو جاتے۔ آپ کے شاگرد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا چنانچہ استاد گرامی حضرت حماد رحمہ اللہ نے میری ذہانت اور لگن کو دیکھ کر فرمایا، ”ابو حنیفہ میرے سامنے صف اول میں بیٹھا کرے۔ اس دریائے علم سے سیراب ہونے کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا۔“

(مناقب للموفق: ۸۸، الخیرات الحسان: ۸۷)

امام اعظم اپنے استاد کی نظر میں:

امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ محفل میں آتے تو نہایت خاموش بیٹھتے، اپنے وقار اور آداب محفل کو ملحوظ خاطر رکھتے۔ ہم ان کی نشست و برخاست کو بھی علمی تربیت کا حصہ تصور کرتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ مشکل سوالات کرنے لگے۔ بعض اوقات مجھے ان کے حل کرنے میں دقت محسوس ہوتی اور مجھے خوف آتا کہ اگر ان کے استفسارات کا تسلی بخش جواب نہ ملا تو وہ مایوس نہ ہو جائیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سارے کوفہ کے لوگوں میں ان کی شناخت ایک فقیہ کی حیثیت سے ہونے لگی۔

وہ بڑے ذہین اور جلدی سمجھنے والے طالب علم تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ عالم اسلام کے اہل علم و فضل ان کے دسترخوان علم سے استفادہ کرنے آنے لگیں گے اور مجھے محسوس ہوا کہ نعمان ایک ایسا آفتاب ہے جو بطن کیمتی کی تاریکیوں کو چیرتا ہوا کائنات کو روشن کرے گا۔ (مناقب للموفق: ۸۷)

ایک حیران کن خواب:

آپ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول کر آپ کے جسم اقدس کی ہڈیاں اپنے سینے سے لگا رہے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ خوابوں کی تعبیر کے بہت بڑے عالم جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا، ”اس خواب کا دیکھنے والا حضور ﷺ کی احادیث اور سنتوں کو دنیا میں پھیلانے کا اور ان سے ایسے مسائل بیان کرے گا جن کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔“

اس اشارہ نبی سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی اور اس خواب کی تعبیر اس طرح عملی طور پر سامنے آئی کہ آپ نے سارے عالم اسلام کو احادیث نبوی کے معارف سے آگاہ فرمایا اور ایسے مسائل بیان کئے جن سے عقل حیران ہوئی۔ (الخیرات الحسان: ۹۳، مناقب للموفق: ۹۱)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شروع میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ فرمایا تھا کہ دوسری بار پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ، آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ نور مجسم ﷺ نے فرمایا،

”اے ابو حنیفہ! تیری زندگی احیائے سنت کے لیے ہے تو گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دے۔“ آقا و مولیٰ ﷺ کا یہ فرمان عالیشان سن کر آپ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ (کشف المحجوب: ۱۶۲)

تدریس کی ابتدا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس میں ہمیشہ نمایاں مقام حاصل رہا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال آیا کہ اپنا حلقہ درس علیحدہ قائم کریں۔ جس دن آپ نے حلقہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اسی رات کو آپ حضرت حماد رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ان کو اطلاع ملی کہ ان کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہو گئے اور آپ کو اپنا خلیفہ بنا گئے۔



اُن کی غیر موجودگی میں آپ نے ساٹھ ایسے مسائل پر فتوے دیے جن کے متعلق آپ نے استاد سے نہ سنا تھا۔ بعد میں آپ نے وہ جواب استاد کو دکھائے تو انہوں نے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور بیس مسائل میں اصلاح کی۔ اس وقت امام اعظم رحمہ اللہ نے قسم کھائی کہ جب تک زندگی ہے، امام حماد رحمہ اللہ کی مجلس کو نہیں چھوڑیں گے۔

(الخیرات الحسان: ۸۷)

جب آپ کے استاد امام حماد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو لوگوں نے ان کے بیٹے سے استدعا کی کہ وہ اپنے والد کی مسند پر تشریف لائیں مگر وہ اس عظیم ذمہ داری کے لئے راضی نہ ہوئے۔ آخر کار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گزارش کی گئی تو آپ نے فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ علم مٹ جائے اور ہم دیکھتے رہ جائیں۔ چنانچہ آپ اپنے استاد مکرم کی مسند پر بیٹھے۔ اہل علم کا ایک بڑا حلقہ آپ کے گرد جمع ہونے لگا۔

آپ نے اپنے شاگردوں کے لئے علم و فضل کے دروازے کھول دیے، محبت و شفقت کے دامن پھیلا دیے، احسان و کرم کی مثالیں قائم کر دیں اور اپنے شاگردوں کو اس طرح زیور علم سے آراستہ کیا کہ یہ لوگ مستقبل میں آسمان علم و فضل کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکتے رہیں۔ (مناقب للموفق: ۹۵)

☆☆☆☆

## باب دوم (2)

اخلاق و کردار:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ میانہ قد، خوبصورت، خوش گفتار اور شیریں لہجہ والے تھے۔ آپ کی گفتگو فصیح و بلیغ اور واضح ہوتی۔ ابو نعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”امام اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ اچھا، کپڑے اچھے، خوشبو اچھی اور مجلس اچھی ہوتی۔ آپ بہت کرم کرنے والے اور رفیقوں کے بڑے غم خوار تھے۔“

عمر بن حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”آپ خوبصورت اور خوش لباس تھے، کثرت سے خوشبو استعمال کرتے تھے، جب سامنے سے آتے یا گھر سے نکلتے تو آپ کے پہنچنے سے پہلے آپ کی خوشبو پہنچ جاتی۔“ (خطیب بغدادی ج ۱۳: ۳۳۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ غیبت کرنے سے کوسوں دور تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔ سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! وہ بہت عقلمند تھے، وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو ان کی نیکیوں کو ضائع کر دے۔

شریک رحمہ اللہ نے کہا، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نہایت خاموش طبع، بہت عقلمند اور ذہین، لوگوں سے کم بحث کرنے والے اور کم بولنے والے تھے۔ ضمیرہ رحمہ اللہ کے بقول لوگوں کا اتفاق ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ درست زبان تھے، انہوں نے کبھی کسی کا ذکر برائی سے نہ کیا اور جب ان سے کہا گیا، لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کسی پر اعتراض نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا کرے۔

بکیر بن معروف رحمہ اللہ نے فرمایا، امت محمدیہ ﷺ میں کوئی شخص، میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۲)

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ حرام چیزوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ وہ دنیا داروں سے دور رہتے اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور و فکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے باوجود عاجزی و انکساری کا پیکر تھے۔“

جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن و سنت میں اس کی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔ اپنے نفس اور دین کی حفاظت کرتے اور راہِ خدا میں علم اور مال و دولت خوب خرچ کرتے۔ انکا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا، لالچ اور حرص کی طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دور تھے، اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے۔“

یہ سن کر خلیفہ نے کہا، ”صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ پھر اس نے کاتب کو یہ اوصاف لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا، ان اوصاف کو یاد کر لو۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۷۶)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”مجھے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت ملی، میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اہل علم کو دل و جان سے چاہتے۔ آپ کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وقف تھے۔ سارا دن تعلیم و تدریس میں گزرتا۔ باہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے۔ بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی راہنمائی فرماتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس و تدریس کی مجلس ہوتی اور باہر نکلتے تو مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء و مساکین کی خدمت، رشتہ داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اور قرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت کرتے۔ یہی معمولات زندگی بھر قائم رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (مناقب للموفق: ۴۰۰)

معانی بن عمران الموصلی رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔ پرہیز گاری، سچائی، فقیہی مہارت، عوام کی خاطر مدارات اور سخاوت، پر خلوص ہمدردی، لوگوں کو نفع پہنچانے میں سبقت، طویل خاموشی (فضول گفتگو سے پرہیز)، گفتگو میں حق بات کہنا اور مظلوم کی معاونت خواہ دشمن ہو یا دوست۔“ (ایضاً: ۲۲۳)

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں بیس سال تک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہا۔ اس مدت میں، میں نے انہیں خلوت اور جلوت میں ننگے سر اور پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک بار میں نے ان سے عرض کی۔ استاد محترم! اگر آپ خلوت میں پاؤں دراز کر لیا کریں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ فرمایا، خلوت میں ادب ملحوظ رکھنا جلوت کے بہ نسبت بہتر اور زیادہ اولیٰ ہے۔ (حدائق المحفۃ: ۷۲)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ علم و فضل کی دنیا میں فقہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ اپنے احباب کے لئے بے پناہ فکر مند رہتے، علمی حاجات پوری کرنے میں بڑی توجہ اور قابلیت سے حصہ لیتے، جسے پڑھاتے اس کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ غریب و مساکین شاگردوں کا خاص خیال کرتے۔ آپ بعض اوقات لوگوں کو اتنا دیتے کہ وہ خوشحال ہو جاتے۔ آپ کے پاس عقل و بصیرت کے خزانے تھے، اس کے باوجود آپ مناظروں سے اجتناب فرماتے۔ آپ لوگوں سے بہت کم گفتگو فرماتے اور ان سے مسائل میں الجھتے نہیں تھے بلکہ خاموشی اختیار کرتے۔ (مناقب للموفق: ۲۷۶)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حسن اخلاق کے بارے میں بے شمار واقعات کتب کثیرہ میں موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس طرح علم و عمل میں بے مثل و بے مثال شان رکھتے ہیں اسی طرح حسن و اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی انکا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمو کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا،

”اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو علم و عمل، سخاوت و ایثار اور دیگر قرآنی اخلاق سے مزین کر دیا تھا۔“ (الخیرات الحسان: ۱۳۶)

امام اعظم بحیثیت تاجر:

ریشمی کپڑے کے تاجر کو عربی میں الخزاز کہتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ ریشمی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کی تجارت بہت وسیع تھی۔ لاکھوں کالین دین تھا۔ اکثر شہروں میں کارندے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ اتنے وسیع کاروبار کے باوجود دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک آنہ بھی انکی آمدنی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چار صفات کی وجہ سے ایک کامل اور ماہر تاجر ہوئے۔



1- آپ کا نفس غنی تھا، لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ پر ظاہر نہ ہوا۔

2- آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔

3- آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔

4- آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

ان اوصافِ عالیہ کا اجتماعی طور پر جو اثر آپ کے تجارتی معاملات پر ہوا، اسکی وجہ سے آپ تاجروں کے طبقہ میں انوکھے تاجر ہوئے اور بیشتر افراد نے آپ کی تجارت کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دی ہے، گویا آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں اور آپ ان طریقوں پر چل رہے ہیں جن پر سلف صالحین کا عمل تھا۔ آپ مال خریدتے وقت بھی اسی طرح امانت داری کے طریقے پر عامل رہتے تھے جس طرح بیچنے کے وقت عامل رہا کرتے تھے۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۹)

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس ریشمی کپڑے کا تھان بیچنے کے لیے لائی۔ آپ نے اس سے دام پوچھے، اس نے ایک سو بتائے۔ آپ نے فرمایا، یہ کم ہیں، کپڑا زیادہ قیمتی ہے۔ اس عورت نے دو سو بتائے۔ آپ نے پھر کہا، یہ دام کم ہیں۔ اس نے پھر سو اور بڑھائے حتیٰ کہ چار سو تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا، یہ چار سو سے زیادہ کا ہے۔ وہ بولی، تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ آپ نے اسے پانچ سو دیکر وہ کپڑا خرید لیا۔ اس تقویٰ اور دیانت نے آپ کے کاروبار کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور چمکا دیا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بیچنے والے کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ آپ ان کی بھلائی کے لیے ان کی بہترین راہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے احباب سے یا کسی غریب خریدار سے نفع بھی نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنے نفع میں سے بھی اس کو دے دیا کرتے۔

ایک بوڑھی عورت آپ کے پاس آئی اور اس نے کہا، (میری زیادہ استطاعت نہیں، اس لیے) یہ کپڑا جتنے میں آپ کو پڑا ہے اس دام پر میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔ آپ نے فرمایا، تم چار درہم میں لے لو۔ وہ بولی، میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرا مذاق کیوں اڑاتے ہو (کیونکہ یہ قیمت بہت کم ہے)؟ آپ نے فرمایا،

”میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ان میں سے ایک کپڑے کو دونوں کی قیمت خرید سے چار درہم کم پر فروخت کر چکا ہوں، اب یہ دوسرا کپڑا ہے جو مجھے چار درہم میں پڑا ہے، تم چار درہم میں اسے لے لو۔“

ایک مرتبہ آپ نے اپنے کاروباری شریک کو بیچنے کے لیے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ اس سے فرمایا، جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بھی بتا دینا۔ اس نے تھان فروخت کر دیے لیکن گاہک سے اس تھان کا عیب بیان کرنا بھول گئے۔ اور یہ بھی نہ یاد رہا کہ وہ عیب دار تھان کس گاہک کو فروخت کیا تھا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان تمام تھانوں کی قیمت میں ہزار درہم صدقہ کر دی اور اس شریک کو علیحدہ کر دیا۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۰)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر زندگی بسر کریں اور آپ کے اقوال، افعال اور خصائل کی پیروی کریں، کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ حضور ﷺ سے قربت اس لیے تھی کہ وہ مزاج شناس عادات رسول ﷺ تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر عالم، فقیہ، متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، سخی، جواد اور جانثار آپ ہی تھے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین میں سب سے زائد علم والے، سب سے زائد متقی، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ جواد تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ میں دوکانداری کرتے تھے، کپڑے کا کاروبار تھا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں کپڑے کی تجارت کی اور حضور ﷺ کی سنتوں کی معرفت اور دین کی سمجھ بھی حاصل کی۔ اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لمحہ آپ نے اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ (مناقب للموفق: )

سخاوت:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وسیع تجارت کا مقصد محض دولت کمانا نہیں تھا بلکہ آپ کا مقصد لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا، سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

آپ کا عام معمول تھا کہ گھروالوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ اگر کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجت مند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ دست دیکھتے اسکی گھریلو ضروریات کی کفالت کرتے تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے۔ بہت سے لوگ جو مفلسی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکتے تھے، آپ ہی کی دیکھیری کی بدولت بڑے بڑے رہنوں پر پہنچے۔ ان میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

”امام اعظم رضی اللہ عنہ تجارت کے نفع کو سال بھر جمع کرتے اور پھر اس سے اساتذہ اور محدثین کرام کی ضروریات مثلاً خوراک اور لباس وغیرہ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے۔ اور جو روپیہ نقد باقی رہ جاتا وہ ان حضرات کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے فرماتے، میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا۔ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ حضرات کے لیے یہ مال مجھے عطا فرمایا ہے جو میں آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔“ (مناقب للموفق: ۲۷۶)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کثرت سے صدقہ دیا کرتے تھے، ان کو جو بھی نفع ہوتا وہ دے دیا کرتے تھے۔ مجھ کو اس کثرت سے تحفے ارسال کیے کہ مجھ کو وحشت ہونے لگی۔ میں نے ان کے بعض اصحاب سے اس کا شکوہ کیا تو انہوں نے کہا، اگر تم ان تحفوں کو دیکھتے جو انہوں نے سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ کو بھیجے ہیں تو حیران رہ جاتے۔ امام اعظم نے محدثین میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ جس کے ساتھ بھلائی نہ کی ہو۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۵)

امام مسعر رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جب بھی اپنے لیے یا اپنے گھروالوں کے لیے کپڑا یا میوہ خریدتے تو پہلے اسی مقدار میں کپڑا یا میوہ علماء و مشائخ کے لیے خریدتے۔“ (ایضاً: ۱۳۶)

شریک رحمہ اللہ نے کہا، جو شخص آپ سے پڑھتا تو آپ اس کو نان و نفقہ کی طرف سے بے نیاز کر دیا کرتے بلکہ اس کے گھروالوں پر بھی خرچ کرتے تھے اور جب وہ علم پڑھ لیتا تو اس سے فرماتے، ”اب تم کو بہت بڑی دولت مل گئی ہے کیونکہ تم کو حلال و حرام کی پہچان ہو گئی ہے۔“ (ایضاً: ۱۳۷)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بیان کیا، ”آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھروالوں کا خرچہ برداشت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زائد دینے والا نہیں دیکھا تو آپ فرماتے، اگر تم میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کو دیکھ لیتے تو ایسا نہ کہتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر آپ کسی کو کچھ دیا کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو بڑا ملال ہوتا تھا۔ آپ اس سے فرماتے، ”شکر اللہ تعالیٰ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی تم کو دی ہے۔“ (ایضاً: ۱۳۶)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اپنے اصحاب اور ہم نشینوں کی غم خواری اور ان کا اکرام کرنے والے تھے۔ اسی لیے آپ محتاجوں کا نکاح کر دیتے اور تمام اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ آپ ہر شخص کی طرف اسکے مرتبے کے مطابق خرچ بھیجتے تھے۔ ایک بار آپ نے ایک شخص کو اپنی مجلس میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو جب لوگ جانے لگے آپ نے اسے فرمایا، تم ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر فرمایا، میرے جاء نماز کے نیچے جو کچھ ہے وہ لے لو اور اس سے اپنی حالت سنوارو۔ اس نے جاء نماز اٹھا کر دیکھا تو وہاں ہزار درہم تھے۔ اس نے عرض کی، میں دولت مند ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تو آپ نے فرمایا، تم نے یہ حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا چاہتا ہے لہذا تم اپنی حالت بدلو، تاکہ تمہیں دیکھ کر کسی کو تمہارا محتاج ہونے کا شبہ نہ ہو، اور تمہارے دوست تمہاری خوشحالی سے خوش ہوں۔“ (ایضاً: ۱۳۳)



ایک مرتبہ آپ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص آتا دکھائی دیا جو آپ کا مقروض تھا۔ اس نے دور سے آپ کو دیکھ لیا اور منہ چھپا کر دوسری طرف جانے لگا۔ آپ نے اسے دیکھ لیا اور نام لیکر اس کو پکارا وہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے قریب پہنچ کر فرمایا، تم نے مجھے دیکھ کر راستہ کیوں بدلا؟ اس نے عرض کی، میں نے آپ کا دس ہزار درہم قرض ادا کرنا ہے، اس شرمندگی کی وجہ سے آپ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آپ نے فرمایا، سبحان اللہ! میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا قرض معاف کر دیا، تم آئندہ مجھ سے منہ نہ چھپانا اور میری وجہ سے جو تمہیں ندامت اور پریشانی ہوئی اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔

یہ روایت بیان کر کے شفیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ کا یہ حسن سلوک دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ سے بڑھ کر شاید ہی کوئی زاہد اور مروت کرنے والا ہو۔ (ایضاً: ۱۳۶)

ایک بار حج کے سفر میں عبداللہ بن بکر سہمی رحمہ اللہ کا کسی بدوی سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ انہیں امام صاحب کی خدمت میں لے آیا کہ یہ میری رقم ادا نہیں کر رہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے بدوی سے فرمایا، ”تم مجھے بتاؤ تمہارے کتنے درہم بنتے ہیں؟ اس نے کہا، چالیس درہم۔ آپ نے فرمایا، تعجب ہے کہ لوگوں کے دلوں سے مروت و حمیت کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اتنی سی رقم پر جھگڑا۔ مجھے تو شرم محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنے پاس سے چالیس درہم اس بدوی کو ادا کر دیے۔ (مناقب للموفق: ۲۷۳)

جب آپ کے صاحبزادے حماد رحمہ اللہ نے استاد سے سورہ فاتحہ پڑھی تو آپ نے ان کے استاد کو ایک ہزار درہم نذرانہ پیش کیا۔ وہ کہنے لگے، حضور میں نے کون سا اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آپ اتنی زیادہ رقم کا نذرانہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا آپ نے میرے بیٹے کو جو دولت عنایت کی ہے اس کے سامنے تو یہ نذرانہ بہت حقیر ہے۔ بخدا اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی پیش کر دیتا۔“ (ایضاً: ۲۷۰)

وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے، چار ہزار یا اس سے کچھ کم نفقہ ہے یعنی سال بھر کے لیے اتنا خرچ کافی ہے۔ اس ارشاد گرامی کی وجہ سے چالیس سال سے میں کبھی چار ہزار درہم کا مالک نہیں ہوا۔ جب بھی میرے پاس چار ہزار درہم سے زائد مال آتا ہے، میں وہ زائد مال راہ خدا میں خرچ کر دیتا ہوں۔ اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میں لوگوں کا محتاج ہو جاؤں گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھتا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۳)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و فراخ دلی سے عوام اور علماء کرام کی خدمت کی، اسکی مثال نہیں ملتی۔ جو لوگ آپ کی مجلس میں یونہی چند لمحے سستانے کے لیے بیٹھ جاتے، وہ بھی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے۔ آپ ان سے بھی انکی ضروریات کے متعلق پوچھتے۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا تو اسے کھانا کھلاتے، بیمار ہوتا تو علاج کے لیے رقم دیتے، کوئی حاجت مند ہوتا تو اسکی حاجت روائی کرتے۔ اگر کوئی زبان سے حاجت بیان نہ کرتا تو اسکے کہے بغیر فراستِ باطنی سے اسکا مدعا جان لیتے۔

اس حوالے سے ایک واقعہ پیش خدمت ہے جسے علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مالدار شخص تھا۔ بڑا خوددار اور حیا دار تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ غریب اور محتاج ہو گیا۔ وہ بازار جا کر مزدوری کرتا، مشقت اٹھاتا اور صبر کرتا۔ ایک دن اسکی بچی نے بازار میں گکڑی دیکھی۔ گھر آ کر ماں سے گکڑی لینے کے لیے پیسے مانگے مگر ماں اس کی خواہش پوری نہ کر سکی۔ گھر کا سامان پہلے ہی بک چکا تھا۔ بچی رونے لگی۔ اس شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امداد لینے کا ارادہ کیا۔ وہ آپ کی مجلس میں آ کر بیٹھا مگر شرم و حیا اور خودداری کے باعث اسکی زبان نہ کھل سکی۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ اس شخص کو کوئی حاجت ہے۔ مگر حیا کے باعث یہ سوال نہیں کر رہا۔ جب وہ شخص اٹھ کر وہاں سے جانے لگا تو آپ نے ایک آدمی اس کے پیچھے روانہ کر دیا۔ اس شخص نے گھر جا کر اپنی بیوی کو بتایا کہ میں شرم کے باعث اس بابرکت مجلس میں کچھ نہ مانگ سکا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے آدمی نے واپس جا کر یہ سب احوال امام صاحب کے گوش گزار کر دیا۔

جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ پانچ ہزار درہم کی تھیلی لے کر اس شخص کے گھر پہنچ گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر فرمایا، ”میں تمہارے دروازے پر ایک چیز رکھے جا رہا ہوں اسے لے لو“۔ یہ فرما کر آپ واپس آ گئے۔ اسکے گھر والوں نے تھیلی کھولی تو اس میں پانچ ہزار درہم تھے اور ایک کاغذ کے پرزے پر یہ تحریر تھا، ”تمہارے دروازے پر ابو حنیفہ یہ تھوڑی سی رقم لے کر آیا تھا یہ اسکی حلال کی کمائی ہے اسے استعمال میں لاؤ اور واپس نہ

حکم بن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت بڑے امانت دار تھے۔ جب خلیفہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسکے خزانے کے متولی اور نگراں بن جائیں ورنہ وہ انہیں سزا دے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بجائے خلیفہ کی ایذا رسانی کو قبول فرمایا۔“ (الخیرات الحسان: ۱۳۵)

کیونکہ اکثر بادشاہ اور حکام سرکاری خزانے کا بیجا استعمال کرتے ہیں اور آپ انکے اس ناجائز کام میں حصہ دار نہیں بننا چاہتے تھے۔

حضرت وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”خدا کی قسم! امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے امانت دار تھے۔ انکے دل میں اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کا خوف جلوہ گر تھا۔ اور وہ اسکی رضا پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔“ (مناقب للموفق: ۲۳۳)

عبد العزیز صنعانی رحمہ اللہ جنہوں نے آپ سے فقہ پڑھی تھی، فرماتے ہیں، جب میں حج پر گیا تو اپنی ایک حسین کنیز امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس بطور امانت چھوڑ گیا۔ ایک عرصہ بعد جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے دریافت کیا، حضور! میری کنیز نے آپکی کیسی خدمت کی؟ آپ نے فرمایا، میں نے اس سے کبھی کوئی کام نہ لیا اور نہ ہی اسے آنکھ اٹھا کر دیکھا کیونکہ یہ آپکی امانت تھی۔ (ایضاً: ۲۳۵)

ایک دیہاتی نے آپ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار درہم بطور امانت رکھے مگر وہ فوت ہو گیا۔ اس نے کسی کو بتایا بھی نہ تھا کہ میں نے اس قدر رقم امام اعظم کے پاس بطور امانت رکھوائی ہے، اسکے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ جب وہ بالغ ہوئے تو امام اعظم رحمہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور انکے والد کی ساری رقم لوٹا دی اور فرمایا، یہ تمہارے والد کی امانت تھی۔ آپ نے یہ امانت خفیہ طور پر لوٹائی تاکہ لوگوں کو اتنی بڑی رقم کا علم نہ ہو اور وہ انہیں تنگ نہ کریں۔ (ایضاً: ۲۳۷)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اور امانت و دیانت کے باعث علماء اور عوام آپکی بے حد عزت کیا کرتے تھے جبکہ مخالفین و حاسدین حسد کی آگ میں جلتے رہتے اور مختلف حربے استعمال کر کے آپ کے مقام و مرتبے کو گھٹانے کی مذموم کوشش کرتے۔ ایک بار ایک شخص کے ذریعے آپکے پاس ایک تھیلی امانت رکھوائی گئی جس پر سرکاری مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ حاسدوں کی بدگمانی یہ تھی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ بعد یقیناً اس رقم کو کاروبار میں استعمال کر لیں گے اور اسی پر گرفت کی جائے گی۔

چنانچہ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ایک شخص نے کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فلاں شخص کا مال تجارت کے لیے اپنے بیٹے کو دے دیا ہے حالانکہ یہ مال امانت کے طور پر رکھوایا تھا۔ چنانچہ امام صاحب کو طلب کیا گیا اور بتایا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے فلاں شخص کی امانت اپنے کاروبار میں لگا دی ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اسکی امانت جوں کی توں میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو سرکاری نمائندہ بھیج کر تصدیق کر لیں۔ جب وہ لوگ آئے تو آپ کے مال خانے میں وہ امانت ویسی ہی موجود پائی جس پر سرکاری مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب کو ندامت ہوئی۔ (ایضاً: ۲۳۳)

انکے لیے ندامت اور حیرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی کثیر امانتیں جمع تھیں جو انکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ محمد بن الفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب امام اعظم کا وصال ہوا تو آپ کے پاس لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں جنہیں آپکے بیٹے حضرت حماد رحمہ اللہ نے لوگوں کو لوٹایا۔ (ایضاً: ۲۳۵)

یہ بات غور طلب ہے کہ یہ وہ رقم ہے جو آپ کے وصال کے بعد موجود تھی جبکہ آخری عمر میں خلیفہ کی مخالفت کے باعث آپکے لیے جیل کی قید اور دیگر سزاؤں کا امکان بہت بڑھ چکا تھا۔ لہذا آپ کے تقویٰ اور بصیرت کے باعث یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے اس زمانے میں ان امانتوں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی لیکن لوگوں کی امانتوں کا سلسلہ اس قدر وسیع تھا کہ اسے سمیٹتے سمیٹتے بھی پانچ کروڑ کی امانتیں بچ گئیں جو بعد میں آپکے فرزند نے ان لوگوں تک پہنچائیں۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کا ایک عظیم نظام قائم کیا ہوا تھا۔ دفتر، مال خانہ، ملازم، کھانا، رجسٹر اور



حساب کتاب کرنے والے حساب داں یقیناً اس نظام کا حصہ ہوں گے۔ اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے اموال و قوم کی حفاظت اور انکی اصل مالکوں کو واپسی یقینی بنانے کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کر کے سود سے پاک خالص اسلامی بینک کا واضح تصور پیش کر چکے ہیں۔

صبر و حلم:

امام اعظم رضی اللہ عنہ جلالہ شان کے باوجود نہایت حلیم و بردبار اور متواضع انسان تھے۔ آپ عظیم قوت برداشت اور بے پناہ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے مناظرے کے دوران گستاخانہ گفتگو شروع کی اور آپکو بدعتی اور زندیق کہہ کر مخاطب کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے، وہ خوب جانتا ہے میرے بارے میں جو تم نے کہا وہ سچ نہیں ہے۔ میں تمہارے عقیدے سے اتفاق نہیں کرتا۔ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے اسکے برابر کسی کو نہ جانا۔ میں اسکی بخشش کا امیدوار ہوں اور میں اسکے عذاب سے ڈرتا ہوں۔“

یہ کہتے ہوئے آپ رو پڑے اور روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے پھر ہوش آیا تو اس شخص نے کہا، مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ”جس جاہل نے بھی میرے بارے میں کچھ کہا وہ معاف ہے اور جو علم کے باوجود مجھ میں عیب بتائے تو وہ قصور وار ہے۔“ (الخیرات الحسان: ۱۳۰)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ آپ بہت باوقار انسان تھے، جب گفتگو فرماتے تو کسی کے جواب کے لیے ہی فرماتے اور بیکار و لغو باتوں پر غور نہ کرتے اور نہ ہی ایسی باتیں سنتے۔ جب آپ کے پاس کوئی شخص آکر کہتا کہ فلاں نے ایسی بات کہی ہے تو آپ فرماتے، یہ بات چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ فلاں معاملہ میں کیا کہتے ہو۔ یہ کہہ کر اسکی بات منقطع فرماتے اور ارشاد فرماتے، ایسی باتیں کہنے سے بچو جنہیں لوگ ناپسند کرتے ہوں۔ (ایضاً: ۱۳۱)

ایک دفعہ آپ مسجد خیف میں تشریف فرما تھے، شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا، آپ نے مناسب جواب دیا۔ اس نے کہا، مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے، آپ نے فرمایا، حسن بصری رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا جس نے کپڑے سے منہ چھپایا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا، ”اے زانیہ کے بیٹے، تم حسن بصری کو خطا کار اور غلط کہتے ہو۔“ اس بیہودہ گوئی پر لوگ مشتعل ہو گئے اور اسے مارنا چاہا مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور سب کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔ اور اس شخص سے نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ فرمایا، ”ہاں حسن بصری رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو حضور ﷺ سے روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔“ (مناقب للموفق: ۲۹۸)

امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ ایک شخص جو آپ سے بغض و عناد رکھتا تھا، آکر آپکی شان میں برے الفاظ کہنے لگا۔ آپ نے توجہ نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے اور شاگردوں کو اس کی طرف توجہ کرنے سے منع فرما دیا۔ جب آپ درس کے بعد گھر کی طرف چلے تو وہ شخص بھی گالیاں بکتا ہوا پیچھے پیچھے چلا۔ آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموشی اور وقار سے سر جھکائے اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ وہ آپکے دروازے پر سہارا مارنے لگا اور بولا، تم مجھے کتا سمجھتے ہو کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب امام اعظم رحمہ اللہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور اس گالیاں بکنے والے سے فرمایا، یہ میرے گھر کا دروازہ ہے اور میں اندر جانا چاہتا ہوں اس لیے تم جتنی گالیاں دینا چاہو دے لو تا کہ تمہیں کچھ حسرت باقی نہ رہے۔ وہ شخص شرم سے سر جھکا کر بولا، آپکی برداشت کی انتہا ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں معاف کر دیا۔ (ایضاً: ۲۸۶)

بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ مال میں سخاوت کرنے والے اور علم سکھانے میں صبر کرنا والے تھے۔ آپ بہت بردباری سے اپنے متعلق کیے جانے والے اعتراضات کو سنتے تھے اور غصہ سے کوسوں دور تھے۔“ (الخیرات الحسان: ۱۱۹)

عبادت و ریاضت:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تو اتر سے ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کثرت قیام کی وجہ سے آپ کووند یعنی میخ (کیل) کہا جاتا تھا۔ آپ تیس سال تک ایک رکعت میں مکمل قرآن پڑھتے رہے اور آپ کے بارے

میں مروی ہے کہ آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال تک پڑھی۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۷)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام رات عبادت کرنے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک بار آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا، ”یہ امام ابو حنیفہ ہیں جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور سوتے نہیں۔“ آپ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے فرمایا، سبحان اللہ! کیا تم خدا کی شان نہیں دیکھتے کہ اس نے ہمارے لیے اس قسم کا چرچا کر دیا، اور کیا یہ بری بات نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق وہ بات کہیں جو ہم میں نہ ہو، لہذا ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ خدا کی قسم! میرے بارے میں لوگ وہ بات نہیں کہیں گے جو میں نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ تمام رات عبادت و دعا و راہ وزاری میں گزارنے لگے۔ (ایضاً: ۱۱۸)

مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں امام اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو علم سکھانے میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ آپ نے نمازِ ظہر ادا کی پھر لوگوں کو عصر تک علم دین سکھاتے رہے پھر عصر ادا فرمائی۔ اسی طرح عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر عشاء پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ معمول دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب آپ کی تدریسی مصروفیات اس قدر ہیں تو آپ نفل عبادت کیسے کرتے ہوں گے۔ چنانچہ میں ضرور آپ پر نگاہ رکھوں گا۔

جب لوگ عشاء پڑھ کر گھروں کو جا چکے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ گھر سے صاف ستھرا لباس پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ دولہا ہیں۔ آپ نفل نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو گئی۔ پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔ جب کچھ دیر بعد واپس تشریف لائے تو لباس بدلا ہوا تھا۔ آپ نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی اور پھر حسب سابق وہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جو عشاء تک جاری رہا۔ میں نے خیال کیا کہ آج رات یہ ضرور آرام کریں گے۔ مگر دوسری رات بھی وہی معمول دیکھا جو پہلی رات کا تھا۔ میں نے یہ گمان کیا اب تیسری رات تو ضرور آرام کریں گے مگر تیسری رات بھی وہی معمول دیکھا۔ تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں زندہ ہوں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا لہذا میں نے مستقل انکی خدمت میں رہنے اور انکی شاگردی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

امام مسعر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امام اعظم رحمہ اللہ کو دن میں کبھی بغیر روزہ کے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی رات میں سوتے ہوئے پایا البتہ ظہر سے قبل آپ کچھ دیر آرام کر لیا کرتے تھے، آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مسعر بن کدام رحمہ اللہ بھی بڑے خوش نصیب تھے کہ انکا وصال امام اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں ایسی حالت میں ہوا جب وہ سجدہ کی حالت میں اپنی جمین نیاز، بارگاہ بے نیاز میں جھکا چکے تھے۔ (ایضاً: ۱۱۹)

ابو حفص رحمہ اللہ نے بھی امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ معمول بیان کیا ہے کہ آپ روزانہ عشاء کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور پھر کچھ وقت گزار کر مسجد میں آتے اور اسی طرح رات بھر عبادت کرتے اور اذان فجر سے قبل گھر چلے جاتے اور پھر فجر کی نماز کے لیے دوبارہ آتے اور اس طرح عام لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ وہ ساری رات گھر میں رہے ہیں۔ (مناقب للموفق: ۲۶۰) خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ نے فرمایا، قرآن مجید کو ایک رکعت میں شروع سے ختم تک چار حضرات نے پڑھا ہے اور وہ ہیں، حضرت عثمان غنی، تمیم داری، سعید بن جبیر، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ۴۵)

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت کرنے سے متعلق اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں، ”آپ کا ایک رکعت میں قرآن ختم کرنا اس حدیث کے منافی نہیں کہ ”جس نے قرآن کو تین رات سے کم میں ختم کیا وہ فقیہ نہ ہوا“ کیونکہ یہ اسکے لیے ہے جو صاحب کرامت نہ ہو، یاد کرنے میں اور آسانی میں اور وقت کی وسعت میں۔ اس لیے بہت سے صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت میں ختم کرتے تھے بلکہ بعض نے تو مغرب و عشاء کے درمیان چار مرتبہ ختم کیا اور یہ سب کرامت کے طور پر ہے اس لیے قابل اعتراض نہیں۔“ (الخیرات: ۱۲۴)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت ایک قرآن پاک نوافل میں ختم کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں ایک قرآن صبح اور ایک قرآن عصر کے وقت ختم فرمایا کرتے تھے اور عام طور پر رمضان کے دوران بائیس (۶۲) بار قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ (مناقب للموفق: ۲۴۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پچپن (۵۵) حج کیے۔ آخری حج میں کعبہ شریف کے محاوروں سے اجازت لے کر کعبہ کے اندر چلے گئے اور وہاں آپ نے دو



رکعت میں پورا قرآن اس طرح تلاوت کیا کہ پہلی رکعت میں دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پاؤں پر دباؤ نہیں دیا۔ اس حال میں نصف قرآن تلاوت کیا پھر دوسری رکعت میں بائیں پاؤں پر زور رکھا اگرچہ دوسرا پاؤں بھی زمین پر تھا مگر اس پر وزن نہیں دیا۔ اس طرح آپ نے بقیہ نصف قرآن کی تلاوت مکمل کی۔

نماز کے بعد روتے ہوئے بارگاہِ الہی میں عرض کی، ”اے میرے رب! میں نے تجھے پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے لیکن میں تیری ایسی عبادت نہ کر سکا جیسا کہ عبادت کا حق تھا، مولا تو میری خدمت کی کمی کو معرفت کے کمال کی وجہ سے بخش دے۔“ تو غیب سے آواز آئی، ”اے ابوحنیفہ! تم نے ہماری معرفت حاصل کی اور خدمت میں خلوص کا مظاہرہ کیا اس لیے ہم نے تمہیں بخش دیا اور قیامت تک تمہارے مذہب پر چلنے والوں کو بھی بخش دیا۔“ سبحان اللہ! (الخیرات: ۱۲۳، شامی ج: ۱: ۳۸)

حشیت الہی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں آپ کے خوفِ خدا اور مراقبہ کے عنوان سے ایک باب تحریر کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں، ”اسد بن عمرو رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے رونے کی آوازیں میں سنی جاتی تھی یہاں تک کہ آپ کے پڑوسی آپ پر ترس کھاتے۔ کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بخدا آپ بہت دیانت دار تھے اور خدا کی جلالت اور کبریائی آپ کے قلب میں راسخ تھی۔ آپ اپنے رب کی خوشنودی کو ہر چیز پر ترجیح دیتے اور چاہے تلواروں سے ان کے کٹڑے کر دیے جاتے وہ اپنے رب کی رضا نہ چھوڑتے۔ آپ کا رب آپ سے ایسا راضی ہوا جیسے ابراہیم سے ہوتا ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ واقعی ابراہیم سے تھے۔“ (صفحہ ۱۲۵)

یزید بن لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ امام نے نمازِ عشاء میں سورۃ زلزال تلاوت کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امام اعظم متکبر بیٹھے ہیں اور لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہیں۔ میں وہاں سے چلا آیا اور چراغ جس میں تیل کم ہی تھا، وہیں چھوڑ دیا کہ کہیں انکا دھیان نہ بٹے۔ صبح صادق کے وقت میں مسجد آیا تو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں، ”اے وہ ذات جو ذرہ بھر برائی کے بدلے سزا دیتا ہے، اگر نعمان کی جزا تیرے پاس جہنم یا اس سے قریب ہے تو اسے تو اپنی رحمت میں داخل فرما۔“ راوی کہتے ہیں، جب میں پہنچا تو چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، کیا چراغ لینے آئے ہو؟ میں نے عرض کی، حضور! فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا، جو تم نے دیکھا اسے چھپانا۔ پھر آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ (ایضاً: ۱۲۶)

ابوالاحوص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اگر امام اعظم رحمہ اللہ سے یہ کہا جاتا کہ آپ تین دن تک انتقال کر جائیں گے تو بھی آپ اپنے معمول کے اعمال سے کچھ زیادہ نیکی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اس قدر نیکیاں کرتے تھے کہ اس میں اضافہ ممکن ہی نہ تھا۔“ (ایضاً: ۱۲۷)

امام ابویحییٰ نیشاپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ساری رات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاتے دیکھا۔ میں دیکھتا کہ آپ کے آنسو مصلے پر بارش کے قطروں کی طرح ٹپک رہے ہیں۔ (مناقب للموفق: ۲۵۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، ”اگر لوگ اپنے معاملات میں درست رہتے تو میں کسی کو فتویٰ نہ دیتا۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی خوف نہیں کہ میں اپنے کسی فتویٰ کی وجہ سے کہیں دوزخ میں نہ چلا جاؤں۔ اس لیے میں فتویٰ دینے سے پہلے ہزار بار سوچتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہوں۔“ (ایضاً: ۲۲۱)

ایک روز امام اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے کہ لاعلمی میں آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر آگیا۔ اس لڑکے نے کہا، اے شیخ! کیا تم قیامت کے روز خدا کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے یہ بات سنی تو غش کھا کر گر گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو مسعر بن کدام رحمہ اللہ نے عرض کی، اس لڑکے کی بات نے آپ کے دل پر اتنا عظیم اثر کیا؟ آپ نے فرمایا، ”کیا عجب کہ اسکی آواز غیبی ہدایت ہو۔“ (الخیرات الحسان: ۱۲۸)

آپ کے دل میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اس شخص نے کہا، خدا سے ڈرو۔ یہ سننا تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ زرد پڑ گیا، سر جھکا لیا اور فرمایا، خدا تمہیں جزا دے، ہر وقت لوگوں کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی انہیں خدا کی یاد دلائے۔ (سوانح امام اعظم: ۱۲۸)

ایک روز امام نے فجر کی نماز میں یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے، ”اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے“ (ابراہیم: ۴۱) تو آپ لرز گئے اور کچکی طاری ہو گئی۔ آپ کی اس کیفیت کو لوگوں نے محسوس کر لیا۔ امام اعظم رحمہ اللہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فرماتے، یہ مشکل میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے اور استغفار کرتے تو مسئلہ حل ہو جاتا۔ آپ فرماتے، مجھے خوشی ہوئی کیونکہ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا۔ اس بات کی اطلاع حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو ہوئی تو بہت روئے اور فرمایا، ”اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر رحم فرمائے، یہ بصیرت انکے گناہوں کی کمی کی وجہ سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کو یہ بیداری حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ گناہوں میں مستغرق ہوتے ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۱۲۸)

فضیل بن دین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے تابعین وغیرہ کی ایک جماعت کو دیکھا تو کسی کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اچھی طرح نماز پڑھتے ہوئے نہ پایا۔ آپ نماز شروع کرنے سے پہلے رو پڑتے اور دعا فرماتے تو دیکھنے والا کہتا، واقعی خدا سے ڈرنے والے یہی ہیں۔“

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ اپنی طویل گفتگو کے اختتام پر فرماتے ہیں، ”رات کو جب آپ نماز ادا فرماتے تو چٹائی پر آپکے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اس طرح آتی جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ رونے کا اثر آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر نظر آتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان سے راضی ہو۔“ (ایضاً: ۱۲۹)

زہد و تقویٰ:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زائد متقی کسی کو نہ دیکھا۔ تم ایسے شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کے سامنے کثیر مال پیش کیا گیا اور اس نے اس مال کو نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ اس پر اسے کوڑوں سے مارا گیا مگر اس نے صبر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مصائب کو برداشت کیا مگر مال و متاع قبول نہ کیا بلکہ دوسروں کی طرح (جاہ و مال دنیا کی) کبھی تمنا اور آرزو بھی نہ کی حالانکہ لوگ ان چیزوں کے لیے سو سو جتن اور حیلے کرتے ہیں۔ بخدا آپ ان تمام علماء کے برعکس تھے جنہیں ہم مال و انعام کے لیے دوڑتا دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور دنیا ان سے بھاگتی ہے۔ جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ وہ تھے کہ دنیا انکے پیچھے آتی تھی اور آپ اس سے دور بھاگتے تھے۔“ (مناقب للموفق: ۲۲۸)

مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا، میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ متقی کوئی نہ دیکھا۔

حسن بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں، آپ سخت پرہیزگار تھے، حرام سے ڈرتے تھے اور شبہ کی وجہ سے کئی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے۔ میں نے کوئی فقیہ ایسا نہ دیکھا جو اپنے نفس اور علم کی حفاظت آپ سے زیادہ کرتا ہو، وہ آخری عمر تک جہاد کرتے رہے۔

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے زائد نہ تو کسی کو متقی پایا اور نہ اپنی زبان کا حفاظت کرنے والا۔ آپ کو زبان کی حفاظت کا اس قدر شدید احساس تھا کہ کبھی فرماتے ہیں، آپ نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی سچی قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کریں گے۔ چنانچہ ایک بار قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کیا پھر عہد کیا کہ اگر اب قسم کھائی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۰)

آپکے کاروباری شریک حفص رحمہ اللہ کہتے ہیں،

میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ تیس سال تک رہا لیکن میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے اس چیز کے خلاف ظاہر کیا ہو جو آپکے دل میں ہو۔ جب آپ کو کسی چیز کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اپنے دل سے اسکو نکال دیتے تھے اگرچہ اس کی خاطر اپنا تمام مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔ (ایضاً: ۱۳۱)

اسکی مثال وہ واقعہ ہے کہ آپکے ایک کاروباری شریک نے کپڑے کا عیب ظاہر کیے بغیر اسے بیچ دیا تو آپ نے اس دن کی ساری کمائی تیس ہزار درہم



خیرات کردی۔ یہ واقعہ ”امام اعظم بحیثیت تاجر“ کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

کسی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپ کو دنیا کا مال و اسباب پیش کیا جاتا ہے مگر آپ اسے قبول نہیں فرماتے حالانکہ آپ ایماندار ہیں اور یہ آپ کا حق ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے اپنے اہل و عیال کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ انکا خود کفیل ہے۔ میرا ذاتی خرچ دو درہم ماہانہ ہے، تو میں اپنی ضرورت سے بڑھ کر کیوں جمع کروں۔ (مناقب للموفق: ۲۲۸)

جب آپ کو بغداد میں قید کر دیا گیا تو اپنے بیٹے حماد رحمہ اللہ کو پیغام بھیجا، اے میرے بیٹے! میرا خرچ دو درہم ماہانہ ہے کبھی ستو کے لیے اور کبھی روٹی کے لیے۔ اور اب میں یہاں قید میں ہوں تو جلد خرچ بھیج دو۔ یہ تقویٰ تھا کہ جیل میں بھی حکومت کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ (ایضاً: ۲۱۲)

شقیق بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہم ایک دن امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چھت سے ایک سانپ آپ کے سر پر لگتا دکھائی دیا۔ سانپ دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، سانپ سانپ کہہ کر سب بھاگے۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ نہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور نہ ہی ان کے چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نظر آئے۔ ادھر سانپ سیدھا امام اعظم رحمہ اللہ کی گود میں آگرا۔ آپ نے ہاتھ سے جھٹک کر اسے ایک طرف پھینک دیا مگر خود اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور پختہ اعتماد ہے۔ (ایضاً: ۲۸۳)

بکیر بن معروف رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ایک دن امام اعظم رحمہ اللہ سے عرض کی، حضور میں نے آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا، آپ کے مخالفین آپ کا گلہ کرتے ہیں، آپ کی غیبت کرتے ہیں مگر آپ جب بھی کسی کا ذکر کرتے ہیں تو اسکی خوبیاں ہی بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نے کبھی کسی کے عیب تلاش نہیں کیے اور کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا۔ (ایضاً: ۲۱۳)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بے مثال تقویٰ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہو گئیں تو آپ نے دریافت کیا، بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہتی ہے؟ لوگوں نے بتایا، سات سال، تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا (کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت جسم میں نہ چلا جائے)۔

انہی دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اتنے سال تک مچھلی کے گوشت سے پرہیز کیا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۳)

کسی نے یزید بن ہارون رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ انسان فتویٰ دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقام کو پہنچ جائے۔ راوی کہتے ہیں، میں نے یہ سن کر کہا، ابو خالد آپ بھی ایسا کہتے ہیں؟ (یزید بن ہارون رحمہ اللہ پہلے امام اعظم رحمہ اللہ کے علم و فضل کے قابل نہیں تھے اس لیے انہیں حیرانی ہوئی) آپ نے فرمایا، میرے پاس اس سے بڑھ کر الفاظ نہیں ورنہ انکا مقام تو اس سے بھی بلند ہے۔ دنیائے اسلام میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسا فقیہ ہے نہ متقی۔ میں نے انکو ایک دن تیز دھوپ میں ایک شخص کے مکان کے پاس کھڑے دیکھا۔ میں نے عرض کی، آپ اس دیوار کے سائے میں آجائیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ گھر والا میرا مقروض ہے، میں نے اس سے کچھ درہم لینے ہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ اسکے گھر کے سائے میں بیٹھوں۔ اس سے بڑھ کر احتیاط اور تقویٰ کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے اس گھر والے سے قرض واپس لینا ہے، اگر میں اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے ہو کر فائدہ اٹھاؤں تو یہ ایک قسم کا سود ہے۔ یہ فتویٰ عوام کے لیے نہیں ہے لیکن عالم کو اس سے زیادہ عمل کرنا چاہیے جس نیکی کی طرف وہ لوگوں کو بلاتا ہے۔ (ایضاً: ۱۳۴، مناقب للموفق: ۲۰۵)

امام رازی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ امام اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں اتفاقاً آپکی جوتی کو کچھ نجاست لگ گئی۔ آپ نے نجاست دور کرنے کے لیے جوتی کو جھاڑا تو کچھ نجاست اڑ کر ایک مکان کی دیوار سے لگ گئی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر نجاست یونہی چھوڑ دی جائے تو اسکی دیوار خراب ہوتی ہے اور اگر اسے کرید کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اس سے مالک مکان کو نقصان ہے۔ چنانچہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا، صاحب خانہ باہر آیا۔ اتفاق سے وہ شخص مجوسی تھا اور آپکا مقروض تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ آپ قرض واپس لینے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، قرض کو چھوڑو میں تو اس الجھن میں ہوں کہ تمہاری دیوار کیسے صاف کروں۔ پھر سارا واقعہ بتا دیا۔ وہ مجوسی آپ کا تقویٰ

اور کمال احتیاط دیکھ کر بے ساختہ بولا، آپ دیوار بعد میں صاف کیجیے گا، پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل صاف کر دیں، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر کبیر زیر آیت مالک یوم الدین)

حق گوئی:

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں پچیسویں فصل کا عنوان یہ تحریر کیا ہے، ”اپنی کمائی سے کھانا اور عطیات کا رد کرنا“۔ وہ اسکے تحت لکھتے ہیں، ”خدا کی قسم! امام اعظم رحمہ اللہ نے کبھی کسی خلیفہ یا امیر کا کوئی تحفہ یا انعام قبول نہیں کیا۔“

ایک بار عباسی خلیفہ نے دوسو دینار کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ ”ان پر میرا کوئی حق نہیں“۔ ایک مرتبہ امیر المومنین نے ایک خوبصورت لونڈی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا، ”میں اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں اس لیے مجھے کنیز کی حاجت نہیں“۔ (مناقب للموفق ص ۲۷۷)

امام اعظم رضی اللہ عنہ امراء اور حکام کے تحائف اور نذرانوں کے اس لیے مخالف تھے کہ جو کسی کا احسان مند ہو جاتا ہے وہ اسکے خلاف حق بات کہنے سے رک جاتا ہے بقول شخصے، ”جو کسی کا کھانا ہے وہ اس سے شرماتا ہے“۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ حق گوئی و بیباکی کے علمبردار تھے اس لئے آپ نے کبھی کسی دنیا دار کا تحفہ یا نذرانہ قبول نہ فرمایا۔

بنو امیہ کے دور حکومت میں ابن ہبیرہ کوفہ کا گورنر تھا۔ اس نے ایک بار اپنے اور خوارج کے مابین ایک دستاویز لکھنے کے لئے ابن ہبیرہ اور ابن ابی لیلیٰ سے کہا۔ دونوں نے ایک ماہ کا وقت لیکر مضمون لکھا جو اسے پسند نہ آیا۔ انکے بتانے پر ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بلوایا اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اسی وقت مضمون لکھوا دیا جو گورنر اور علماء سب کو پسند آیا۔ (ایضاً: ۳۱۲)

گورنر نے درخواست کی، ”حضور! کبھی کبھی ہمارے پاس آیا کریں تو ہمیں فائدہ ہو“۔ آپ نے بیباکی سے فرمایا، ”میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ تم مہربانی سے پیش آؤ گے تو تمہارے دام میں آ جاؤں گا اور اگر ناراض ہوئے اور مجھے قرب کے بعد دور کر دیا تو اس میں میری ذلت ہے۔ نیز تمہارے پاس جو مال ہے اسکی مجھے حاجت نہیں اور جو دولت (علم) میرے پاس ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔“

ابن ہبیرہ نے کئی مشہور علماء کو حکومتی عہدے دیے تو امام اعظم رحمہ اللہ کو بلا کر بیت المال کی نظامت کا منصب پیش کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ اس پر گورنر غضبناک ہو گیا اور اس نے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ آپ نے کوڑوں کی سزا برداشت کر لی مگر یہ منصب قبول نہ کیا۔ پھر گورنر نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا، ”خدا کی قسم میں اپنے آپ کو کبھی حکومت میں شریک نہیں کروں گا۔“

گورنر نے غصہ میں قسم کھائی، اگر عہدہ قضا کو بھی امام ابوحنیفہ نے قبول نہ کیا تو انکے سر پر تیس کوڑے ماریں جائیں گے اور جیل میں ڈال دوں گا۔ آپ نے فرمایا، ”کوڑے تو ہلکی سزا ہے اگر وہ مجھے قتل بھی کر دے تو میں یہ عہدہ قبول نہ کروں گا۔“ ایک اور روایت میں ہے، ”اگر گورنر مجھے مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں گورنر کے حکم سے یہ کام بھی نہیں کروں گا اور گورنر یہ حکم دے کہ فلاں کی گردن اڑا دو، فلاں کو قید کر دو تو میں بے گناہوں کی سزاؤں پر مہریں کیوں لگاؤں؟“۔ یہ جواب سن کر گورنر آگ بگولہ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے حکم سے آپ کو کوڑے مارے گئے اور جیل میں ڈال دیا گیا۔

ایک رات ابن ہبیرہ کو خواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم میرے امتی کو بلا و جہ سزا دے رہے ہو، شرم کرو۔ اس دن ابن ہبیرہ نے آپ کو جیل سے رہا کر دیا۔ آپ کوفہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا ہے۔ جب بنو امیہ کی حکومت ختم ہو گئی تو عباسی حکومت کے دور میں آپ کوفہ واپس آ گئے۔ (ایضاً: ۳۱۵)

ایک بار عباسی خلیفہ منصور اور اسکی بیوی میں اختلاف ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا، کسی کو منصف بنا لو۔ اس نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا اور خلیفہ کی بیوی پردے کے پیچھے بیٹھی تاکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ خود سنے۔ منصور نے آپ سے پوچھا، کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ آپ نے فرمایا، چار عورتوں سے۔ منصور نے اپنی بیوی سے کہا، غور سے سن لو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے کہا، امیر المومنین! چار بیویوں کی اجازت اس کے لیے ہے جو ان میں عدل کر سکے، ورنہ ایک نکاح کا حکم ہے۔ یہ سن کر خلیفہ خاموش ہو گیا۔

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے آئے تو کچھ دیر میں ایک خادم پچاس ہزار درہم اور دیگر تحائف لیے ہوئے آیا کہ خلیفہ کی بیوی نے بھجوائے



ہیں۔ آپ نے اس خادم سے کہا، یہ سب واپس لے جاؤ اور اپنی مالکہ سے کہو کہ میں نے جو کچھ کہا محض رضائے الہی کے لیے کہا، یہ میرا دینی فرض تھا۔ (ایضاً: ۲۲۷)

عباسی خلیفہ منصور نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو بغداد بلا کر چیف جسٹس کا عہدہ قبول کرنے کا حکم دیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے انکار پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں ضرور ایسا کروں گا۔ اس پر امام اعظم رحمہ اللہ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ خلیفہ کے وزیر نے کہا، آپ امیر المومنین کی قسم پر قسم کھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں کیونکہ امیر المومنین مجھ سے زیادہ آسانی سے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر سکتے ہیں۔ خلیفہ کے دربار میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کا منصب قبول کرنے پر بڑی بحث ہوئی۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے یہ تک فرمادیا، تم تو ایسے شخص کو قریب لایا کرتے ہو جو تمہاری ہاں میں ہاں ملائے اور ہر حال میں تمہاری نکریم کرے اور میں اس کام کے لیے بالکل موزوں نہیں۔ (حمیض الصحیفہ: ۳۷)

جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تو آپ نے خلیفہ سے کہا، بات یہ ہے کہ میں اس منصب کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ خلیفہ نے کہا، آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ یقیناً اسکی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے استغناء اور بے نیازی کے ساتھ جواب دیا، ”اب تم خود اپنے دل سے فیصلہ کر لو کہ ایک جھوٹا شخص چیف جسٹس کیونکر مقرر کیا جاسکتا ہے۔“ یہ سن کر خلیفہ منصور لا جواب ہو گیا اور اس نے آپکو کوڑے لگوائے۔ (مناقب للموفق: ۴۳۱)

بنو امیہ کے دور میں کوفہ کا گورنر خالد بن عبد اللہ جعدہ کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھا تو تقریر میں ایسا لگن ہوا کہ ظہر کا آخری وقت آ گیا اور عصر کا وقت نہایت قریب ہو گیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گورنر کی طرف کنکریاں پھینکتے ہوئے کہا، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ نماز تو پڑھ لی گئی مگر اس گستاخی پر آپکو گرفتار کر لیا گیا۔ گورنر نے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا، نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی، اللہ کی کتاب اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا آپ پر زیادہ حق ہے۔ اگر آپ ہی اسے پامال کرتے رہے تو عوام کا کیا بنے گا۔ (ایضاً: ۱۳۱)

آئینہ جواں مرداں حق گوئی دیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

والدین سے حسن سلوک:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے والد گرامی آپکے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے جبکہ آپکی والدہ ایک مدت تک زندہ رہیں۔ آپ اپنی والدہ سے بے حد محبت کرتے اور انکی خوب خدمت کرتے۔ آپکی والدہ شکی مزاج تھیں اور عام عورتوں کی طرح انہیں بھی واعظوں اور قصہ گوئی کرنے والے خطیبوں سے عقیدت تھی۔

کوفہ کے مشہور واعظ عمرو بن ذر اور قاضی زرعہ پر انہیں زیادہ یقین تھا اس لیے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو امام اعظم رحمہ اللہ کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ارشاد کی تعمیل کے لیے انکے پاس جاتے۔

وہ بیچارے سراپا عذر بن کر عرض کرتے، حضور! آپ کے سامنے میں کیسے زبان کھول سکتا ہوں۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو کوئی مسئلہ کا جواب نہ آتا تو امام اعظم رحمہ اللہ سے درخواست کرتے، ”آپ مجھ کو جواب بتا دیں تاکہ میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں۔“ آپ جواب دیتے تو وہ اسے آپکے سامنے دہرا دیتے اور پھر وہی جواب امام اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو آ کر بتا دیتے۔ (الخیرات الحسان: ۱۹۶)

آپکی والدہ کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی چنانچہ وہ خچر پر سوار ہوتیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ پیدل ساتھ جاتے حالانکہ آپ کا گھر وہاں سے کئی میل دور تھا۔ وہ خود مسئلہ بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب اطمینان ہوتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک دن میں نے دیکھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو خچر پر بٹھائے عمرو بن ذر کے پاس جا رہے تھے تاکہ آپ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کر سکیں۔ آپ اپنی والدہ کی خواہش پر لے جا رہے تھے ورنہ آپکو معلوم تھا کہ عمرو بن ذر کا کیا مقام ہے۔ یہ سب اپنی والدہ کی خواہش کے احترام کے پیش نظر تھا۔ (مناقب للموفق: ۲۹۳)

ایک بار آپکی والدہ نے آپ سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے فتویٰ تحریر فرمادیا۔ وہ بولیں، میں تو وہی فتویٰ قبول کروں گی جو زرعہ لکھیں گے۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ کی دلجوئی کے لیے زرعہ کے پاس گئے اور فرمایا، میری والدہ آپ سے یہ فتویٰ پوچھتی ہیں۔ تو انہوں نے کہا، آپ زیادہ بڑے فقیہ ہیں آپ فتویٰ

وہ تجھے۔ آپ نے فرمایا، میں نے یہ فتویٰ دیا ہے لیکن وہ آپ سے تصدیق چاہتی ہیں تو زرعہ نے لکھ کر کہا، فتویٰ وہی صحیح ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ اس تحریر سے وہ مطمئن ہو گئیں۔ (ایضاً)

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کو عباسی خلیفہ نے چیف جسٹس مقرر کرنا چاہا تو آپ نے انکار کیا۔ اس پر آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جلا دروزانہ جیل سے نکال کر آپ کو لوگوں کے سامنے کوڑے مارتے اور کہتے کہ چیف جسٹس کا منصب قبول کر لیں مگر آپ انکار کرتے۔ ایک دن کوڑے کھاتے کھاتے رو پڑے۔ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا، میں اپنی تکلیف کی وجہ سے نہیں رویا مجھے اپنی والدہ یاد آ گئیں کہ وہ میری جدائی میں کس قدر مغموم ہو گئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب میری والدہ میرے خون آلود چہرے کو دیکھیں گی تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ (ایضاً)

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب مجھے کوڑے لگائے جاتے تھے تو میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں، ابوحنیفہ! تجھے علم نے اس قوت برداشت تک پہنچا دیا ہے۔ تم اس علم کو چھوڑ دو اور عام دنیا والوں کی طرح کام کرتے جاؤ۔ میں نے کہا، امی جان! اگر میں علم چھوڑ دوں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل کروں گا۔“

آپ فرماتے تھے، میں اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے ہر جمعہ کے دن بیس درہم خیرات کرتا ہوں، اور اس بات کی میں نے منت مانی ہوئی ہے۔ دس درہم والد اور دس درہم والدہ کے لیے خیرات کرتا ہوں۔ ان مقررہ درہموں کے علاوہ آپ اپنے والدین کے لیے فقراء و مساکین میں اور بھی چیزیں صدقہ کرتے تھے۔ (ایضاً: ۲۹۴)

پڑوسیوں سے حسن سلوک:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا، جو دن میں محنت مزدوری کرتا اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب لیکر آتا۔ گوشت بھون کر کھاتا اور شراب پیتا۔ جب شراب کے نشے میں دھت ہو جاتا تو خوب غل مچاتا اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھتا رہتا، ترجمہ: ”لوگوں نے مجھ کو ضائع کر دیا اور کتنے بڑے باکمال نوجوان کو کھو دیا جو لڑائی اور صف بندی کے دن کام آتا۔“

امام صاحب روزانہ اسکی آواز سنا کرتے اور خود تمام رات عبادت میں مشغول رہتے۔ ایک رات آپ نے اسکی آواز نہ سنی تو صبح لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ بتایا گیا کہ اسے کل رات سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے اور وہ قید میں ہے۔ امام صاحب نماز فجر کے بعد گورنر کے پاس پہنچے۔ گورنر نے بڑے ادب سے عرض کی، حضور آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا، میرے پڑوسی کو کل رات آپ کے سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے، اسے چھوڑ دیجئے۔ گورنر نے حکم دیا، وہ قیدی اور اسکے ساتھ کے تمام قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ پھر قیدیوں سے کہا، تم سب کو امام ابوحنیفہ کی وجہ سے رہائی مل رہی ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے پڑوسی نوجوان سے فرمایا، ”ہم نے تم کو ضائع تو نہیں کیا۔“ آپ کا اشارہ اسکے شعر کی طرف تھا، اس نے عرض کی، نہیں بلکہ آپ نے میری حفاظت فرمائی اور میری سفارش کی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، آپ نے ہمسایہ کے حق کی رعایت فرمائی، پھر اس نے توبہ کر لی اور نیک بن گیا۔ (تمییز الصغیرہ: ۳۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں سے حسن سلوک اور رواداری میں بے مثال تھے۔ آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ آپ سے سب لوگوں کو نفع ہو۔ آپ ایک بار کوفہ کے گورنر کے پاس تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص کو گورنر قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اس شخص نے دیکھا کہ گورنر نے امام صاحب رحمہ اللہ کی بڑی عزت کی ہے تو کہنے لگا، یہ صاحب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ گورنر نے پوچھا، کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟ اگرچہ آپ اسے نہیں جانتے تھے مگر آپ نے فرمایا، یہ تو وہی ہے جو اذان دیتے ہوئے آواز کھینچ کر کہتا ہے لا الہ الا اللہ۔ اس نے عرض کی، جی میں وہی ہوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا مجھے اذان تو سناؤ تا کہ میں تمہاری آواز پہچان لوں۔ اس نے پوری اذان سنائی۔ تو امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ اچھا آدمی ہے اسے چھوڑ دو۔ گورنر نے اسے رہا کر دیا۔

اس واقعہ سے امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی بے پناہ ذہانت واضح ہوتی ہے۔ آپ نے اذان اس لیے سنی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی شہادت کی



گواہی دے۔ اور یوں آپ نے اس شہادت کی برکت اور اپنی ذہانت سے ایک بے گناہ کو قتل سے بچا لیا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق علامہ موفق رحمہ اللہ نے چند اشعار تحریر کیے ہیں جن میں سے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے، ”امام اعظم رحمہ اللہ کا ہمسایہ ہمیشہ خوشحال رہتا ہے کیونکہ آپ ہمسائے کے حقوق اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔ آپ اپنے احسان و کرم کے لیے کسی خاص ہمسائے سے ہی حسن سلوک نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ہمسایہ آپ کے سایہ کرم میں رہتا تھا۔“ (مناقب: ۲۴۳)

اساتذہ کا ادب:

میدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، جب سے میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کا وصال ہوا ہے، میں ہر نماز کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور میں نے کبھی ان کے گھر کی طرف اپنے پاؤں نہیں پھیلائے حالانکہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان کئی گلیاں ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۱۹۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں اپنے استاد حماد رحمہ اللہ اور اپنے والد رحمہ اللہ کے لیے استغفار کرتا ہوں، بلکہ میں اپنے ہر استاد کے لیے استغفار کرتا ہوں جس نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھایا۔ اسی طرح اپنے ہر شاگرد کے لیے بھی استغفار کرتا ہوں۔ (مناقب للموفق: ۲۹۵)

علامہ موفق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم رحمہ اللہ جب کسی کے لیے دعا کرتے تو حضرت حماد رحمہ اللہ کا نام سب سے پہلے لیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے، والدین بچے کو جہنم دیتے ہیں مگر استاد اسے علم و فضل کے خزانے دیتا ہے۔“ (ایضاً: ۲۹۶)

یہ آپ کے حسن تربیت کا نتیجہ تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں اپنے والدین سے پہلے اپنے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے لیے ہر نماز کے بعد استغفار کرنا واجب جانتا ہوں کیونکہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاد کے لیے بھی بلاناغہ استغفار کرتا ہوں۔ (ایضاً)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان ہوئی ہے۔ آپ اپنے اساتذہ کرام کا محبت و عقیدت سے ذکر فرماتے اور اکثر کی خدمت میں ہدیے اور تحائف بھیجتے۔ آپ کے اساتذہ اور شیوخ بھی آپ سے بہت محبت فرماتے۔ آپ کو اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے خاص محبت تھی۔ آپ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر

رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابو حنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا، ”ابو حنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی و روحانی علوم کے ذخائر ہیں۔“ (ایضاً: ۱۹۲)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”ان کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور ان کی فقہ کتنی زیادہ ہے۔“ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۹۵)

امام اعظم رحمہ اللہ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ امام اعظم نے آپ کو پہلے نہیں دیکھا تھا مگر سمجھ گئے کہ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تعظیم کے لیے آگے بڑھے اور عرض کی، اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ آرہے ہیں تو میں پہلے ہی سے استقبال کے لیے کھڑا رہتا۔ اب جب تک آپ تشریف فرما رہیں گے میں تعظیماً کھڑا رہوں گا۔ آپ نے فرمایا، ”بیٹھ جائیے اور لوگوں کے مسائل کا جواب دیجیے۔“ اس خاص تعظیم کی وجہ محبت اہلبیت تھی۔ (مناقب للموفق: ۳۶۵)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے زمانے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ ایک بار جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار میں بلایا گیا تو آپ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی دربار میں بلوایا تا کہ سوال و جواب کی صورت میں علمی گفتگو کے ذریعے خلیفہ کی اصلاح کی جائے۔ آپ نے ۴۰ سوالات کیے جن کے مدلل جوابات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔ (ایضاً: ۱۳۳)

آپ نے طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہے، ”اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔“ (مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم: ۴۱)

امام اعظم کی عقل و ذہانت:

عقل و دانائی اور ذہانت و تدبیر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے وہ نمایاں اوصاف ہیں جن کا موافق و مخالف سبھی نے اقرار کیا ہے۔ مجدد دین و ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ، امام ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں،  
امام علی بن عاصم رحمہ اللہ کا قول ہے، اگر روئے زمین کے آدھے انسانوں کے ساتھ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عقل کو ٹولا جائے تو امام اعظم کی عقل وزنی لکے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا، کسی عورت نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہ جانا۔

بکر بن حبیش رحمہ اللہ نے فرمایا، اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے تو امام اعظم کا پلہ بھاری رہے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۳، مطبوعہ لاہور)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد کی رحمہ اللہ کی کتاب ”مناقب الامام“ اور امام ابن حجر کی رحمہ اللہ کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سے پیش خدمت ہیں:-

01۔ پانی گرایا تو طلاق:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا۔ اس کی بیوی پانی کا پیالہ اٹھائے آ رہی تھی، اس شخص نے کہا کہ اگر تم نے اس پیالے سے پانی پیا تو تجھے تین طلاق، اگر اسے زمین پر گرایا تو تجھے تین طلاق، اور اگر اسے کسی اور کو پینے کے لیے دیا تو بھی تجھے تین طلاق۔ جب غصہ رفو ہوا تو خوب پچھتا یا اور علماء کے پاس دوڑا۔ علماء نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر کار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، اس پیالہ میں کپڑا ڈال کر بھگولو، اس طرح تمہاری شرط بھی پوری ہو جائے گی اور عورت طلاق سے بچ جائے گی۔

02۔ روشندان نا جائز اور دیوار توڑنا؟

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں اپنے ہمسائے کے گھر کی طرف روشندان کھولنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، روشندان کھول لو۔ روشندان کھل گیا تو اس کا ہمسایہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس لے گیا، قاضی نے کہا، تم بند کر دو، اسے روشندان کھولنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ وہ شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا، کوئی بات نہیں۔ اب جس دیوار پر روشندان ہے اس کو توڑ دو، اس کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔ وہ دیوار اس کی تھی اس لیے وہ اسے توڑنے لگا۔ اسے حق پہنچتا تھا کہ اپنی دیوار توڑ دے اور کوئی دوسرا اسے روک نہیں سکتا تھا۔ اب اس کا مخالف ہمسایہ دوڑا دوڑا قاضی کے پاس پہنچا اور واقعہ بیان کیا۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا، دیوار اس کی ہے وہ اپنی دیوار توڑنے اور مرمت کرنے کا حق رکھتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس شخص نے کہا، آپ نے تو پہلے درجہ کھولنے سے روکا تھا جو ایک معمولی بات تھی، مگر پوری دیوار توڑنے پر آپ اسے جائز قرار دے رہے تھے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، بات یہ ہے کہ تمہارا ہمسایہ اس شخص کے پاس جاتا ہے جو میرے فیصلوں کو غلط ثابت کرنے میں کمال رکھتا ہے۔ یہاں ابن ابی لیلیٰ نے نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کی علمی برتری کا اعتراف کیا بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیا۔

03۔ رافضی اور یہودی کا رشتہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شہر کوفہ میں ایک رافضی رئیس تھا۔ بڑا مال و دولت رکھتا تھا، مگر وہ اپنی مجالس میں برملا کہتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہودی تھے (معاذ اللہ)۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے، وہ امام صاحب کے علمی اور معاشرتی مقام سے واقف تھا۔ باتوں باتوں میں آپ نے اس رافضی کو کہا، آج میں تمہاری بیٹی کے لیے ایک رشتہ لایا ہوں، وہ سید زادہ ہے اور بڑا دولت مند ہے۔ کتاب اللہ کا حافظ ہے اور رات کو اکثر حصہ بیدار رہ کر نوافل ادا کرتا ہے۔ وہ شب بھر میں سارا قرآن ختم کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہے، رافضی نے کہا، حضور ایسا رشتہ پھر ملنا مشکل ہے آپ جلدی کیجئے،



اس میں رکاوٹ کوئی ہے، مجھے ایسے داماد کی بے حد ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں ایک خصلت ایسی ہے جسے آپ ناپسند کریں گے۔ اس نے پوچھا، وہ کنسی خصلت ہے؟ فرمایا کہ وہ مذہباً یہودی ہے۔ رافضی نے کہا کہ آپ عالم ہو کر مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ایک یہودی سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم ایک امیر اور شریف یہودی سے اپنی بیٹی بیاہنا پسند نہیں کرتے تو کیا نبی کریم ﷺ ایسے شخص سے اپنی دو بیٹیاں بیاہ سکتے تھے جو یہودی تھا۔ اس نے آپ کی باتیں سن کر توبہ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے اعتقاد سے رجوع کیا۔

#### 04۔ چور کا نام بتانے پر طلاق:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نہایت مغموم اور پریشان شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت! رات کے وقت میرے گھر میں چور داخل ہو گئے، ان سے جس قدر مال اٹھایا جاسکتا تھا وہ اٹھا کر لے گئے۔ چوروں میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ میرے محلے کا رہائشی تھا۔ اس کا مصلیٰ میری مسجد میں ہے اور وہ باقاعدہ نماز پڑھتا ہے۔ اس چور کو بھی معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے، وہ آگے بڑھا اور مجھے رسیوں سے جکڑ لیا۔ اور مجھ سے قسم لی کہ اگر تم نے میرا نام افشاء کیا تو تیری بیوی کو تین طلاقیں ہوگی۔ پھر اس بات پر بھی حلف لیا کہ اگر تم نے میرا نام بتایا تو میرے گھر کا تمام مال اور سامان غربائے شہر کو تقسیم کرنا ہوگا، پھر اس نے کہا کہ میں اس کا نام بھی زبان سے نہ نکالوں، نہ اشارہ کروں، نہ صراحت کروں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس قسم اور حلف کے بعد میں نے اگر اس کا نام کسی پر بھی ظاہر کیا تو میری بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ میں اس واقعہ کو اللہ کو گواہ بنا کر سچ کہہ رہا ہوں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اب تم جاؤ اور میرے پاس ایسے شخص کو بھیجو جس پر تمہیں پورا پورا اعتماد ہو۔ اس نے جا کر اپنے بھائی کو بھیجا۔ امام صاحب نے اس کے بھائی سے فرمایا کہ تم حاکم وقت کے پاس جاؤ اور سارا قصہ بیان کرو اور اپنے بھائی کی پریشانی اور مجبوری کا بھی ذکر کرو اور کہو کہ وہ پولیس بھیج دیں۔ پولیس حکم دے کہ مسجد کے دروازے سے تمام نمازی ایک ایک کر کے گزرتے جائیں۔ تم اپنے بھائی کو دروازے پر کھڑا کر دو، ہر ایک آدمی گزرتا جائے اور پولیس پوچھتی جائے کہ یہ تمہارا چور ہے؟ تمہارا بھائی ”نہیں“ کہتا جائے لیکن جب اصل چور گزرے تو تمہارا بھائی بالکل خاموش رہے۔ کوئی بات نہ کرے، کوئی اشارہ بھی نہ کرے، اس شخص کو پولیس گرفتار کرے اور حاکم کے سامنے پیش کرے۔ اس طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے اسکی بیوی کو طلاق ہوئے بغیر چور پکڑا گیا اور اسکا چوری شدہ مال بھی واپس مل گیا۔

#### 05۔ سیڑھی پر چڑھی یا اتری تو طلاق:

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی بیوی سیڑھی پر کھڑی ہے۔ اسکے شوہر نے جھگڑے کے دوران اس سے کہا، اگر تو اوپر چڑھی تو تجھے طلاق ہے اور اگر نیچے اتری تو تجھے طلاق ہے۔ تو اب آپ فرمائیے کہ اس مسئلہ کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اس عورت سمیت سیڑھی اٹھالی جائے اور زمین پر رکھ دی جائے۔ اب عورت جہاں چاہے چلے پھرے، طلاق نہ ہوگی۔

#### 06۔ اہل کوفہ کو قتل عام سے بچالیا:

ضحاک بن قیس شیبانی حروری خارجیوں کا کمانڈر تھا۔ وہ عراق کے مختلف شہروں پر حملہ کرتا تو مسلمانوں کا قتل عام کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر کوفہ میں بھی آ پہنچا اور جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ گیا اور ایک فرمان جاری کیا کہ کوفہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اس وقت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چادر اور قمیض پہنے مسجد میں تشریف لائے اور ضحاک سے کہا، میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ ضحاک نے پوچھا، کیا بات ہے؟ آپ نے پوچھا، تم لوگوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو اور بچوں کو قید کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہو؟ اس نے کہا، یہ سب مرتد ہیں ان کے ارتداد کی یہی سزا ہے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ارتداد تو ایک دین سے دوسرے دین کے اختیار کرنے کا نام ہے۔ تم بتاؤ وہ پہلے کس دین پر تھے اور اب کس دین میں شامل ہوئے ہیں، کیا اب وہ اپنے پہلے دین میں نہیں رہے؟ ضحاک نے کہا، اپنے سوال کو پھر دہرائیے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ پہلے کس دین پر تھے

جسے چھوڑ کر اب دوسرے دین کو اختیار کر رہے ہیں؟ ضحاک نے کہا، واقعی یہ میری غلطی ہے۔ اس نے لشکر کو حکم دیا کہ تلواریں میانوں میں کر لو اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ تھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت جس نے سارے کوفہ والوں کو قتل ہونے سے بچالیا۔

07- بیوی نہ بولی تو طلاق:

ایک مرتبہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا آدھی رات کے وقت جھگڑا ہو گیا تھا، آپ نے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا اور سرزنش کی۔ جواب میں ناراضگی کے طور پر انکی بیوی نے ان سے بات کرنا چھوڑ دی۔ وہ گفتگو کرتے تو چپ رہتی اور کوئی جواب نہ دیتی۔ صبح ہوئی تو عورت کا رویہ وہی رہا۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے غصہ میں کہا، اگر آج رات ختم ہونے تک تم نے مجھ سے بات نہ کی تو تمہیں طلاق ہے۔ وہ بھی بڑی ضدی تھی سارا دن بات نہ کی۔ رات ہوئی تو ان کی بیٹی نے کہا، ابا جان سے کوئی بات کرو تا کہ یہ مصیبت ٹل جائے مگر اس نے پھر بھی بات نہ کی اور خاموش رہی۔ اب امام اعظم رحمہ اللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ معنوم بھی ہوئے۔ وقت گزرنے پر ان کی پریشانی بڑھی کہ انکی بیوی دن طلوع ہونے پر مطلقہ ہو جائے گی۔ اسی فکر میں خیال آیا، کیوں نہ اپنی اس غلطی اور پریشانی کا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جائے۔

چنانچہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنا کر فرمایا، اگر وہ صبح تک میرے ساتھ نہ بولی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ وہ اس طریقہ سے مجھے چھوڑ دینا چاہتی ہے۔ ہم ایک طویل عرصے سے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور صاحب اولاد ہیں، آپ ایسا حل بتائیں جس سے معاملہ درست ہو جائے۔ آپ نے فرمایا، تسلی رکھیں آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور آپ مشکل سے نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمائے گا۔ آپ نے ایک آدمی کو بلایا اور اسے کہا کہ تم ان کے گھر کے پاس والی مسجد میں طلوع سحر سے پہلے اذان دے آنا۔ اس کے بعد امام اعظم رحمہ اللہ گھر چلے گئے اور مؤذن نے قبل از وقت اذان دے دی۔ عورت نے اذان سن کر کہا، شکر ہے، اس بد اخلاق شخص سے جان چھوٹی۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے کہا، تم مجھ سے علیحدہ نہیں ہوئی، ابھی صبح ہونے میں کافی وقت ہے۔ یہ تو ایک حیلہ تھا جس سے تم بات کرنے پر رضامند ہو گئی اب تم سے میرا رشتہ قائم رہے گا۔

08- قیمتی چیز بھول گیا:

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، حضور میں نے ایک قیمتی چیز گھر میں رکھی تھی مگر بھول گیا ہوں اس کے لیے بڑا پریشان ہوں، آپ کوئی تدبیر کریں۔ آپ نے فرمایا، یہ کوئی شرعی مسئلہ تو نہیں، میں کیا کروں۔ وہ شخص آپ کی بات سن کر رونے لگا اور عرض کی، حضور کوئی تدبیر نکالیں۔ تمام رفقاء آپ کے ساتھ اس شخص کے گھر گئے۔ آپ نے فرمایا، تم لوگ بھی اپنی قیمتی چیزیں چھپا کر رکھتے ہو۔ بتاؤ اگر یہ گھر تمہارا ہو تو کس حصہ میں چیز چھپاؤ گے۔ کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے ایک جگہ نشان بنایا، کسی نے ایک جگہ لگایا۔ آپ نے بھی ایک جگہ نشان لگایا اور اسے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہیں سے اس شخص کی قیمتی چیز برآمد ہو گئی۔

09- بھولی چیز یاد آنے کا نسخہ:

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، میں نے کچھ رقم ایک جگہ احتیاط سے رکھ دی تھی۔ اب مجھے سخت ضرورت ہے لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا کہ کس جگہ رکھی تھی۔ آپ کوئی تدبیر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا، تم آج ساری رات نماز پڑھو۔ اس نے جا کر نماز پڑھنی شروع کی تو تھوڑی ہی دیر بعد اسے یاد آ گیا کہ فلاں جگہ رقم رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے رقم نکال لی۔ اگلے دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی، حضور! آپ کی تدبیر سے مجھے رقم مل گئی۔ آپ نے فرمایا، شیطان کو یہ کب گوارا تھا کہ تم ساری رات نماز پڑھو اس لیے اس نے جلد یاد دلایا لیکن تمہارے لیے مناسب یہی تھا کہ تم رب تعالیٰ کے شکرے میں ساری رات نماز پڑھتے۔

10- انڈا نہ کھانے کی قسم:

آپ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ کبھی انڈا نہ کھائے گا۔ پھر ایک دن اس نے یہ قسم کھالی کہ فلاں شخص کی جیب میں جو چیز ہے وہ ضرور کھائے گا پھر جب دیکھا تو اس شخص کی جیب میں سے انڈا نکلا، اب وہ اپنی قسم کیسے پوری کرے؟ اس پر امام اعظم نے فرمایا، اسے چاہیے کہ وہ انڈا مرغی کے نیچے رکھ دے اور جب چوڑہ نکل آئے تو اسے پکا کر کھالے۔ اسکی قسم نہیں ٹوٹے گی۔



11۔ چور پکڑا گیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی کا پالتو مور چوری ہو گیا تو اس نے آپ سے شکایت کی اور اس سلسلے میں مدد کی درخواست بھی کی۔ اسے محلے ہی کے کسی شخص پر شبہ تھا۔ آپ نے فرمایا، تم خاموش رہو، میں کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ آپ صبح کو مسجد تشریف لے گئے اور فرمایا، اس شخص کو شرم نہیں آتی جو اپنے پڑوسی کا مور چرا کر پھر نماز پڑھنے آتا ہے حالانکہ اس کے سر میں اس مور کا پر لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص اپنا سر صاف کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، اے بھائی! اس شخص کا مور اس کو واپس کر دو، چنانچہ اس نے وہ مور واپس کر دیا۔

12۔ ایک درہم کی تقسیم:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ابن شبرمہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا، ایک شخص کے پاس کسی کا ایک درہم اور دوسرے شخص کے دو درہم تھے۔ ان تین درہموں میں سے دو درہم اس سے گم ہو گئے۔ اب اس ایک درہم کا کیا کیا جائے؟ انہوں نے کہا، اس درہم کو دونوں میں مساوی طور پر نصف نصف تقسیم کر دیا جائے۔ ابن مبارک نے پھر یہ مسئلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے فرمایا، ابن شبرمہ کا جواب درست نہیں کیونکہ تین درہم جب یکجا کر دیے گئے تو دونوں افراد کی شراکت ہو گئی۔ اب ضائع ہونے والے درہم دونوں کے ہیں یعنی ایک کا دو تہائی حصہ ضائع ہوا اور دوسرے کا ایک تہائی حصہ ضائع ہوا۔ پس باقی رہنے والے ایک درہم کے تین حصے کر دیے جائیں، دو تہائی دو درہم والے کو دیے جائیں اور ایک تہائی ایک درہم والے کو دیا جائے۔

13۔ کعبہ دیکھو تو یہ دعا مانگو:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ پر جب پہلی نظر پڑے تو جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر شخص متردد ہوتا ہے کہ کون سی دعا مانگے اور کس دعا کو دوسری دعاؤں پر فوقیت دے۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثل ذہانت سے اس مسئلہ کا بھی نہایت شاندار حل بتایا ہے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلی بار بیت اللہ شریف کی حاضری کے لیے گئے اور آپ کی پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے یہ دعا مانگی، ”اے اللہ! مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ یعنی میں جو بھی دعا کروں وہ قبول ہو جائے۔“

امام اعظم کی فقہی بصیرت:

بقول آزاد خیال مؤرخ نعمانی کے، ”ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے، تیزی ذہن، قوت حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت، زہد، تقویٰ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل و رائے، فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا، گویا یہ باتیں دنیا داروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلاشبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تمام علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیاوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے، مذہباً اکثر خفی ہی تھے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۱۳)

ذیل میں امام موفق بن احمد کی رحمہ اللہ کی کتاب ”مناقب الامام“ اور امام ابن حجر کی رحمہ اللہ کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت کے متعلق چند واقعات تحریر کیے جا رہے ہیں:-

14۔ وہاں نہ رہو جہاں راہنما نہ ہو:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ مجھے کسی کام سے کوفہ سے باہر جانا پڑا۔ وہاں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا، یہ بتائیے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے شراب کا گھڑا ٹوٹ جائے اور کوئی شخص اس سمت میں بیٹھا وضو کر رہا ہے جس سمت میں پانی بہتا ہے تو اس شخص کے وضو کا کیا ہو گا؟ آپ فرماتے ہیں، میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے اپنے نوکر سے کہا، چلو اس شہر سے نکل چلیں جہاں مسئلہ کا جواب نہ آئے اور کوئی راہنمائی کرنے والا بھی نہ ہو۔

چنانچہ کوفہ آ کر یہ مسئلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے۔ اگر بہتے ہوئے پانی سے

شراب کی بو آ رہی ہو یا پانی کا ذائقہ متغیر ہو تو وضو جائز نہیں ورنہ کوئی حرج نہیں۔

15۔ حاملہ فوت ہو جائے، بچہ زندہ ہو تو:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں کوفے کے فلاں محلے میں رہتا ہوں۔ رات کے پہلے حصے میں میری بہن فوت ہو گئی ہے اور بچہ اس کے پیٹ میں ہے اور وہ پیٹ میں حرکت کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا، فوراً جاؤ اور عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ باہر نکال لو۔ وہ شخص سات سال بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ ایک بچہ تھا، اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ اسے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، اس نے بتایا کہ یہ یہی بچہ ہے جو آپ کے فتویٰ پر ماں کے پیٹ سے نکالا گیا تھا۔ یہ ساری زندگی آپ کا خادم رہے گا۔ اس کا نام ہم نے نجار رکھا ہے۔

16۔ ترکہ کی تقسیم اور ایک دینار:

ایک عورت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی، میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اور چھ سو دینار ترکہ چھوڑ گیا ہے، اس کی جائیداد میں سے مجھے صرف ایک دینار ملا ہے۔ آپ نے پوچھا، ترکہ کی تقسیم کس نے کی تھی؟ اس نے بتایا، حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے۔ آپ نے فرمایا، پھر یہی تمہارا حق بنتا ہے تمہیں اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ تیرے بھائی نے دو بیٹیاں، ایک بیوی، بارہ بھائی، والدہ اور ایک بہن (جو تو خود ہے) چھوڑے ہیں۔ اس نے کہا، ہاں وارث تو صرف یہی ہیں۔

آپ نے فرمایا، بیوی کے حصے دو تہائیاں اور وہ چھ سو دینار سے چار سو دینار لے گئی۔ ماں کو چھٹا حصہ ملا وہ ایک سو دینار لے گئی۔ بیوی کو آٹھواں حصہ ملا اور وہ پچھتر دینار لے گئی۔ باقی پچیس دینار رہ گئے ان میں سے چوبیس دینار بھائیوں کو ملے اور ایک دینار تمہارے حصے میں آئے گا۔

17۔ میں بات نہیں کروں گا:

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا تو اس نے غصہ میں قسم کھا کر کہا، میں تجھ سے اس وقت تک بات نہیں کروں گا جب تک تو مجھ سے بات نہیں کرے گی۔ ادھر غصہ میں بیوی نے بھی قسم اٹھا کر وہی الفاظ کہے جو شوہر نے کہے تھے۔ غصہ دور ہوا تو دونوں کو بہت افسوس ہوا۔ شوہر پہلے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس گیا اور ان سے یہ معاملہ عرض کیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ تم میں سے جس نے پہلے بات کی اسے کفارہ دینا ہوگا۔ پھر وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، حضور! کوئی حل بتائیے۔ آپ نے فرمایا، تم دونوں آپس میں بات چیت کر سکتے ہو، کسی پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔

جب یہ بات سفیان ثوری رحمہ اللہ کو معلوم ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئے اور اس شخص سے فرمایا، پھر جا کر پوچھو۔ اس نے دوبارہ آ کر پھر یہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ اس پر سفیان ثوری رحمہ اللہ نے پوچھا، آپ نے اس مسئلہ کا یہ جواب کیسے دیا؟ آپ نے فرمایا، مرد کے حلف اٹھانے کے بعد جب عورت نے یہ کہا کہ میں بھی تم سے بات نہیں کروں گی تو اس عورت نے بات تو کر دی لہذا اب مرد پر قسم واقع نہیں ہوگی، اس کی قسم تو ساقط ہو گئی اس طرح کسی پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ علیہ نے کہا، ابو حنیفہ! تم پر وہ علوم منکشف ہوئے ہیں کہ جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

18۔ آنا ختم ہونے کی خبر پر طلاق:

امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک بار اپنی بیوی کو غصہ میں یہ کہہ بیٹھے، اگر تم نے مجھے یہ خبر دی کہ آنا ختم ہو گیا تو تمہیں طلاق، اگر آٹے کے ختم ہونے کے بارے میں کچھ لکھا، یا آنا ختم ہونے کے متعلق کوئی پیغام دیا تو ان تمام صورتوں میں تمہیں طلاق۔ ان کی بیوی حیران رہ گئی کہ انہوں نے کیا کہہ دیا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کیا جائے۔ اسے کسی نے مشورہ دیا کہ اس مشکل سے صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی نکال سکتے ہیں تم ان کے پاس جا کر سارا واقعہ بیان کرو۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آ گئی اور تمام واقعہ سنایا۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں کیا مشکل ہے اس کا حل تو بہت ہی آسان ہے۔ تم رات کے وقت ان کے ازار بند کے ساتھ آٹے کا خالی تھیلا باندھ دینا وہ خود ہی محسوس کریں گے کہ آنا ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ صبح کے اندھیرے میں جب وہ شلوار پہننے لگے تو انہیں ازار بند کے ساتھ کچھ چیز لپٹی ہوئی محسوس ہوئی جب دیکھا تو وہ آٹے کا خالی تھیلا تھا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ گھر میں آنا ختم ہو گیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگے، بخدا یہ ترکیب امام اعظم رضی اللہ عنہ



کے علاوہ کسی اور کو نہیں سوجھ سکتی۔ جب تک وہ زندہ ہے ہمیں شرمندہ کرتا رہے گا۔

## 19۔ قاضی صاحب کی چھ غلطیاں:

کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک دن عدالت سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک پاگل عورت کسی شخص سے جھگڑ رہی ہے اور گفتگو کے دوران اس نے اس شخص کو ”اے زانی اور زانیہ کے بیٹے“ کہہ دیا۔ قاضی صاحب نے اس عورت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور پھر مجلس قضا میں واپس آ کر حکم دیا کہ اس عورت کو مسجد میں کھڑی کر کے درے لگائیں اور دو حدیں ماریں۔ یہ بات جب امام اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا، ابن ابی لیلیٰ نے اپنے فتویٰ میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

وہ مجلس قضا سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ عدالت لگائی یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ اس شخص کے ماں باپ کو گالیوں پر حدیں جاری کیں حالانکہ مدعی وہ شخص نہیں بلکہ اس کے والدین ہونے چاہیے تھے۔ ایک ساتھ دو حدیں نافذ کی گئیں حالانکہ ایک ساتھ دو حدیں نافذ نہیں ہو سکتیں۔ عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی گئی حالانکہ عورت کو کھڑا کر کے حد نافذ نہیں کی جاسکتی۔ پاگل عورت پر حد قائم نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ مرفع العقل اور مرفوع العلم ہوتی ہے۔ مسجد میں حد قائم کی حالانکہ مسجد میں حد قائم نہیں کی جاسکتی۔ علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت سے ہم حیران رہ گئے۔

## 20۔ بیویاں تبدیل ہو گئیں:

کوفہ میں ایک امیر شخص نے بڑی دھوم دھام سے اپنی دو بیٹیوں کا دوسرے بھائیوں سے نکاح کیا۔ رات کو غلطی سے دہنیں بدل گئیں یعنی ایک بھائی کی منکوحہ دوسرے کے پاس اور دوسرے کی منکوحہ پہلے کے پاس چلی گئی۔ دونوں نے شب باشی کی۔ صبح ہوئی تو یہ راز فاش ہوا اور ہر ایک کو سخت پریشانی ہوئی۔ ولیمہ کی دعوت میں اکابر علماء مدعو تھے۔ میزبان نے یہ مسئلہ علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا، ”ہر شخص نے جس سے وطی کی ہے اسے مہر دے اور پھر اپنی زوجہ واپس لے اور دوسری مرتبہ اسے مہر دے۔ اس سے انکے نکاح میں کچھ فرق نہیں آیا۔“ امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مسئلہ کا حل پوچھا۔

آپ نے ان دونوں بھائیوں کو جن کا نکاح ہوا تھا علیحدہ علیحدہ بلایا اور ان سے پوچھا کہ رات جو لڑکی تمہارے ساتھ رہی، اگر وہی تمہارے نکاح میں رہے تو کیا تمہیں پسند ہے؟ ہر ایک نے کہا، ہاں مجھے پسند ہے۔ تو آپ نے فرمایا، تم دونوں اپنی اپنی بیوی کو یعنی جس سے تمہارا نکاح ہوا، اسے طلاق دیدو اور پھر جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کرلو۔ شرعاً مسئلہ کا وہ حل بھی ٹھیک تھا جو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بتایا مگر اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتیں۔ ایک تو دل میں اس سے تعلق برقرار رہتا جس سے وطی کی اور دوم یہ بات غیرت و حمیت کے خلاف ہوتی اور اس طرح ازدواجی رشتہ مستحکم بنیاد پر قائم نہ ہوتا۔ امام اعظم نے مصلحت و حکمت پر مبنی حل بتایا جس سے لوگ عیش و عشرت کراٹھے۔

امام مسعر رحمہ اللہ نے اٹھ کر امام اعظم کی پیشانی چوم لی اور فرمایا، ”لوگو! مجھے اس شخص کی محبت میں ملامت کرتے ہو مگر آج اس شخص نے مجھے اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کو بھی مطمئن کر دیا ہے، اللہ اسے خوش رکھے۔“

## امام اعظم کی حاضر جوابی:

علامہ ذہبی شافعی، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کے متعلق فرماتے ہیں، کان من اذکبء بنی آدم۔ یعنی ”اولادِ آدم میں جو لوگ نہایت عقلمند گذرے ہیں، امام اعظم انہیں میں سے ایک ذہین ترین شخص تھے۔“

کسی حاسد کی سازش کو اپنی عقل و دانش سے ناکام بنا دینا یا فوری طور پر کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانا یا اپنی حاضر جوابی سے کسی کو ہدایت کا راستہ دکھا دینا، یہ سب امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل و دانش کے جلوے ہیں۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حاضر جوابی سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد کی رحمہ اللہ کی کتاب ”مناقب الامام“ اور امام ابن حجر کی رحمہ اللہ کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سے پیش خدمت ہیں:-

21- حق معلوم ہو جائے تو مان لو:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک جگہ بیٹھے تھے، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ میں ایسی گفتگو شروع کی کہ ابن ابی لیلیٰ کو مزید بات کرنے کی گنجائش نہ ملی، مگر وہ اپنے علم کی گرمی میں کہتے رہے، میں اپنے نظریے سے رجوع نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا، اگر اس مسئلے میں خطایا غلطی سامنے آئے تو بھی رجوع نہیں کرو گے؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، یہ تو میں نے نہیں کہتا۔ پھر امام صاحب نے فرمایا، آپ اپنی غلطی تسلیم کریں یا نہ کریں مگر میں نے آپ کی غلطی واضح کر دی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، مجھے پھر سوچنے دو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق و صواب معلوم کر لینے کے بعد مزید سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

22- حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟

ابوالعباس طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا۔ امام بھی جانتے تھے کہ اس کے خیالات کیا ہیں۔ ایک دن حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ عباسی خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے اور بھی بیٹھا لوگ موجود تھے۔ طوسی نے کہا کہ آج میں ابو حنیفہ کو قتل کرادوں گا۔ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا، امیر المؤمنین کبھی ہم میں سے کسی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کسی کو قتل کر دے۔ اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ واقعی مجرم ہے یا نہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں خلیفہ کا حکم ماننا چاہیے یا نہیں؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوالعباس! امیر المؤمنین حق کا حکم دیتے ہیں یا باطل کا؟ اس نے مجبوراً کہا، حق کا۔ آپ نے فرمایا، پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟ طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جس جال میں پھنسانا چاہ رہا تھا آپ کی حاضر جوابی سے خود اسی جال میں پھنس گیا۔

23- آپ کے شاگردوں کی حاضر جوابی:

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کوفہ کے قاضی تھے۔ کوفہ میں ان کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح کا اثر قائم نہ ہو سکا تو کہا کرتے تھے، ”تعب ہے کہ کوفہ والے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اشاروں پر کیوں حرکت کرتے ہیں؟“۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد بھیجے جن میں امام زفر اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما بھی تھے۔ انھوں نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی رائے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو دو اشخاص کا مشترکہ غلام ہو اور ایک نے اسے آزاد کر دیا ہو۔ قاضی صاحب نے کہا، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں دوسرے شریک کو نقصان دینا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے۔ انھوں نے دریافت کیا، اگر دوسرا شریک آزاد کر دے تو؟ قاضی صاحب نے کہا، یہ جائز ہے اب غلام آزاد ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا، آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کر دی۔ کیونکہ جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اس کا آزاد کرنا بیکار تھا چنانچہ وہ غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے اس کو بحالت غلامی آزاد کیا تو صرف اس کے آزاد کرنے سے وہ کیونکر آزاد ہو سکتا ہے؟ قاضی صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

24- قبر میں کیا کہو گے؟

ایک دن عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کا مجمع تھا اور وہاں امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے ایمان کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تو مومن ہے؟ اس نے کہا، مجھے امید ہے کہ میں مومن ہوں۔ (اُس دور میں بعض لوگ خود کو قطعی طور پر اور یقین سے مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے فرمایا، اگر قبر میں منکر نکیر نے تمہارے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو کیا وہاں بھی یہی کہو گے؟ وہ شخص حیران ہو گیا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کس قدر آسان طریقے سے یہ علمی مسئلہ حل کر دیا ہے۔

25- خلیفہ کی بیعت مؤثر نہیں:

ایک دن خلیفہ منصور عباسی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دربار میں بلایا۔ منصور کا پرسل سیکریٹری ربیع آپ کا مخالف تھا اور آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا۔ اس نے منصور سے کہا، یہی وہ شخص ہے جو آپ کے جد امجد (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کی مخالفت کرتا ہے۔ آپ کے دادا فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قسم کھا کر استثناء کرے یعنی ایک یا دو دنوں کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو قسم کا حصہ ہے ورنہ بیکار و بے اثر ہے۔



امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المؤمنین! ربیع کا یہ خیال ہے کہ آپ کے تمام لشکر کی بیعت آپ کے ساتھ مؤثر نہیں۔ خلیفہ نے کہا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، انکا خیال ہے کہ لوگ آپ کے ہاں بیعت کی قسم تو کھاتے ہیں مگر بعد میں گھروں میں جا کر استثناء کر لیتے ہیں یعنی انشاء اللہ کہہ لیتے ہیں، اس طرح ان کی قسمیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور ان پر شرعاً کچھ مؤاخذہ نہیں رہتا۔ یہ سن کر خلیفہ منصور فس پڑا اور ربیع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، تم امام ابوحنیفہ کو نہ چھیڑا کرو، ان پر تمہارا دواؤ نہیں چل سکتا۔ جب دونوں باہر آئے تو ربیع کہنے لگا، آج تو آپ میری جان ہی لے چلے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ تو تمہارا ارادہ تھا، میں نے تو صرف مدافعت کی ہے۔

26۔ طلاق میں شک ہو تو:

ایک شخص کو اپنی بیوی کی طلاق میں شک واقع ہوا تو اس نے قاضی شریک رحمہ اللہ سے مسئلہ دریافت کیا۔ جواب ملا، اُس کو طلاق دے کر رجوع کر لو۔ پھر اس نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا، یہ کہہ دو کہ اگر میں نے تجھ کو طلاق دی ہے تو میں نے تجھ سے رجوع کیا، اور پھر امام زفر رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا، جب تک تمہیں طلاق کا یقین نہ ہو وہ تمہاری بیوی ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ان تینوں جوابات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ثوری نے تمہیں ورع اور تقویٰ کی بات بتائی اور زفر نے ٹھیک فقہ کی بات کہی اور شریک، تو ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جس سے کوئی پوچھے کہ مجھے پتہ نہیں کہ میرے کپڑے پر نجاست ہے یا نہیں تو وہ کہہ دے کہ کپڑے پر نجاست ہے آپ دھولیں۔

27۔ ایک رافضی سے مکالمہ:

کوفہ میں ایک بوڑھا رافضی تھا جو ہر وقت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دل آزاری اور طعن و تشنیع کرتا تھا۔ وہ "شیطان الطاق" کے نام سے مشہور تھا۔ بڑا باتونی اور بات سے بات نکالنے والا تھا۔ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ حمام میں داخل ہوئے اور یہ رافضی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا، ابوحنیفہ! تمہارے استاد فوت ہو گئے ہیں، شکر ہے ہم نے اس شخص سے نجات پائی۔ (حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کو فوت ہوئے ایک ماہ گزرا تھا) آپ نے فرمایا، ہمارے استاد تو فوت ہوتے رہیں گے مگر تمہارا استاد ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ اے اللہ تعالیٰ نے مِنْ الْمُنْظَرِینِ کہہ کر مہلت دی ہے، وہ قیامت تک نہیں مرے گا۔ یہ بات سن کر وہ شیطان جس غسل خانے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نہا رہے تھے، بچا ہو کر داخل ہو گیا۔ امام صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے کہا ابوحنیفہ! تم کب سے اندھے ہوئے ہو؟ فرمایا، جس دن سے اللہ تعالیٰ نے تیری غیرت اور حیا کو ختم کر دیا ہے۔ پھر آپ نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا، ترجمہ: "میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور میری نصیحت میں حکمت و دانائی ہے۔ میں ایسی کوئی بات نہیں کہوں گا جس میں بڑائی ہو۔ اے اللہ کے بندو! اپنے اللہ سے ڈرو، حمام میں ننگے نہ آ جایا کرو بلکہ کپڑا باندھ کر آیا کرو"۔

28۔ قرأت خلف الامام پر مناظرہ:

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے پر مناظرہ کریں۔ آپ نے فرمایا، میں اتنے آدمیوں سے تو بیک وقت بات نہیں کر سکتا نہ ہی ہر ایک کی بات کا جواب دے سکتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ سب کی طرف سے ایک سمجھ دار عالم مقرر کر لیں جو اکیلا مجھ سے بات کرے۔ انہوں نے ایک بڑا عالم منتخب کیا جو آپ سے بات کرے۔ آپ نے سب سے فرمایا، کیا یہ عالم جو بات کرے گا وہ آپ سب کی طرف سے ہوگی اور کیا اس کی ہارجیت آپ کی ہارجیت ہوگی؟ ان سب نے کہا، ہاں! ہم سب اس بات پر متفق ہیں۔

آپ نے فرمایا، جب تم نے یہ بات مان لی تو پھر تمہارا مسئلہ حل ہو گیا۔ تم نے میرے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے حجت قائم کر دی ہے۔ کہنے لگے، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، "تم نے خود اپنی طرف سے ایک آدمی منتخب کیا اور فیصلہ کیا کہ اس کی ہر بات تمہاری بات ہوگی، اس کی ہارجیت تمہاری ہارجیت ہوگی، ہم بھی نماز کے دوران اپنا امام منتخب کرتے ہیں۔ اس کی قرأت ہماری قرأت ہوتی ہے، وہ بارگاہ خداوندی میں ہم سب کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے"۔ انہوں نے آپ کی دلیل کو تسلیم کیا اور اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جو مسئلہ عقلی طور پر سمجھا یا وہ دراصل اس حدیث کی تشریح ہے، "جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی

قرأت ہی اسکی قرأت ہے۔ اس عنوان پر تفصیلی گفتگو نمازِ خفی کے عنوان کے تحت کی جائے گی۔

29۔ طاقتور ترین صحابی کون؟

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک رافضی مسجد میں آ گیا، جو کوفہ میں شیطان طاق (باتونی شیطان) کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے آتے ہی پوچھا! ابوحنیفہ! تمام لوگوں میں طاقتور ترین انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ہمارے عقیدہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمہارے عقیدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ رافضی نے کہا، یہ تو آپ نے الٹی بات کہہ دی۔

آپ نے فرمایا، الٹی بات تو نہیں کہی، سچی بات کہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے سخت کہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ خلافت کے بعد انہیں حقدارِ خلافت تسلیم کر کے ان سے برضا و رغبت بیعت کر لی۔ تم شیعہ کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ساتھ ہی یہ کہتے ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا حق چھین لیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنا حق لیتے۔ اس طرح تمہارے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زیادہ طاقتور تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر غالب رہے۔ رافضی آپ کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا اور مسجد سے کھسک گیا۔

30۔ دہریوں کو وجودِ خدا کا ثبوت دیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاں خارجی، رافضی اور دوسرے بدعقیدہ لوگ موجود تھے وہاں بے دین، دہریے اور ملحد بھی موجود تھے۔ وہ چاہتے تھے جب بھی موقع ملے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں۔ ایک دن آپ مسجد میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ اچانک خارجیوں کا ایک گروہ اندر آ گیا اور آتے ہی آپ کے سامنے تلواریں اور چھریوں کی نمائش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، بٹھیر جاؤ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو جی میں آئے کر لینا۔ آپ نے فرمایا،

مجھے بتاؤ، اس کشتی کے متعلق تم کیا کہو گے جو سامان سے لدی ہوئی دریا میں چل رہی تھی، اس کشتی کو طوفانی ہواؤں اور موجوں نے گھیر لیا مگر وہ اس کے باوجود اپنے راستہ پر چلتی رہی حالانکہ اس کا کوئی ملال یا چلانے والا نہیں تھا۔ اس پر ایسا کوئی آدمی بھی نہیں تھا جو کشتی کا رخ پھیر کر طوفانوں کی زد سے کسی دوسری طرف لے جائے۔ کیا تمہاری عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کے باوجود کشتی طوفانوں کے درمیان سیدھی منزل کی طرف چلتی جائے۔ ان سب نے کہا، عقل نہیں مانتی۔ آپ نے فرمایا، جب تمہاری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ ایک کشتی کسی چلانے والے یا ملال کے بغیر طوفانوں میں اپنا راستہ خود نہیں بنا سکتی تو اتنی بڑی کائنات جس میں مختلف اقسام کے تغیرات اور طوفان ہیں، وہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟ آپ کی بات سن کر دہریے جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے، لا جواب ہو گئے اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے سامنے اپنے عقائد سے توبہ کر لی۔

31۔ خارجیوں کی توبہ:

ایک وقت آیا کہ خارجیوں نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے ایک دستے نے سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کوفہ کے امام الائمہ ہیں۔ اگر آپ قابو آ گئے تو کسی دوسرے کو علمی مزاحمت کی جرأت نہ ہوگی۔ خارجیوں کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ جو ان کے عقیدہ پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں رہتا۔ انہوں نے کہا، تم کفر سے توبہ کرو۔ آپ نے فرمایا، میں ہر قسم کے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ بعد میں چند لوگوں نے کہا، امام اعظم تمہیں جُل دے کر چھوٹ گئے وہ تو تمہیں کافر سمجھتے ہیں اور انہوں نے تمہارے کفر سے توبہ کی ہے۔

خارجیوں نے آپ کو گھر سے پھر گرفتار کر لیا اور پوچھا، آپ نے تو ان عقائد سے توبہ کی ہے جن پر ہم ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا، یہ بات تم نے لوگوں کے بھڑکانے پر گمان سے کہہ دی ہے یا ایمان اور یقین سے؟ انہوں نے کہا، ہم گمان سے کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تو ان بعض الظن اثم فرماتا ہے یعنی بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تم نے تو گناہ کیا ہے کہ مجھ پر بدگمانی کی اور تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر گناہ کفر ہے پہلے تم اس کفر سے توبہ کرو۔

خارجیوں کے سردار نے کہا، اے شیخ آپ صحیح کہہ رہے ہیں ہم کفر سے توبہ کرتے ہیں مگر آپ بھی کفر سے توبہ کریں۔ آپ نے اعلان کیا، میں ہر کفر سے



توبہ کرتا ہوں۔ اس پر خوارج نے آپ کو پھر چھوڑ دیا۔

آپ کے دوسری بار توبہ کرنے پر خارجی سمجھے کہ آپ نے اپنے کفر یہ عقیدہ سے توبہ کا اعلان کیا ہے حالانکہ آپ نے تو دوبارہ بھی انہی کے کفر یہ عقائد سے توبہ فرمائی تھی۔

32۔ خصی کے تین سوال:

ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کا ایک خادم امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض اور کینہ رکھتا تھا اور جہاں بیٹھتا آپ کے خلاف گفتگو کرتا۔ خلیفہ کے منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آیا۔ ایک دن اس نے منصور سے کہا کہ میں آپ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں اگر انہوں نے صحیح جواب دے دیئے تو آئندہ انکی برائی نہیں کروں گا۔

منصور نے امام صاحب کو بلایا اور خادم کو کہا کہ سوال کرو۔ پہلا سوال یہ تھا کہ دنیا کا درمیان (محور) کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ جگہ یہی ہے جہاں تو بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے دوسرا سوال کیا، دنیا میں سروں والی مخلوق زیادہ ہے یا پاؤں والی؟ آپ نے فرمایا، سروں والی مخلوق زیادہ ہے۔ تیسرا سوال یہ کیا کہ اس کائنات پر مرد زیادہ ہیں یا عورتیں؟ آپ نے فرمایا، دونوں زیادہ ہیں مگر تم بتاؤ کہ تم مرد ہو یا عورت؟ تم کس جنس سے تعلق رکھتے ہو؟ کیونکہ خصی (نامرد) بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر وہ خادم مبہوت ہو کر رہ گیا (کیونکہ اس کا خصی ہونا لوگوں کو معلوم نہ تھا)۔

33۔ سیاہ بال چن لو:

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ایک حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، سفید بال چن لے۔ حجام نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ جہاں سے سفید بال پنے جاتے ہیں وہاں کٹی اور سفید بال اگ آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا پھر سیاہ بال چن لے تاکہ سیاہ بالوں کا غلبہ ہو جائے اور سفید ختم ہو جائیں۔ یہ بات اگرچہ مزاحیہ تھی۔ مگر جب قاضی شریک رحمہ اللہ کو یہ لطیفہ سنایا گیا تو انہوں نے ہنس کر فرمایا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تو حجام کو بھی اپنے قیاس سے لا جواب کر دیا۔

امام اعظم کا علمی تبحر:

امام اعظم رضی اللہ عنہ علم کا ایک بہت بڑا خزانہ تھے۔ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ کا ذہن اس تیزی کے ساتھ صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا کہ دوسرے لوگ حیران رہ جاتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو مسائل کسی سے حل نہیں ہو سکتے، وہ آپ نہایت آسانی سے حل فرما دیا کرتے۔ آپ مناظرے اور مباحثے میں اپنے مد مقابل پر چھٹا جاتے اور اسے لا جواب کر دیتے تھے۔

علامہ موفق بنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ اگرچہ دین کے مسائل حل کرنے میں علماء وقت کے سردار تھے مگر بعض نکات اور بعض مشکل سوالات کے فوری اور فی البدیہہ جواب دے کر انہوں نے ذہانت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

ذیل میں امام موفق بن احمد بنی رحمہ اللہ کی کتاب ”مناقب الامام“ اور امام ابن حجر بنی رحمہ اللہ کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سے چند واقعات تحریر کیے جا رہے ہیں جن سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی تبحر کا ہلکا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے:-

34۔ یہ مومن ہے یا کافر:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے جنت کی کوئی امید نہیں، میں اللہ سے نہیں ڈرتا، مجھے دوزخ کی کوئی پروا نہیں، مردار کھاتا ہوں، نماز میں رکوع و سجود نہیں کرتا۔ میں اس چیز کی گواہی دیتا ہوں جسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میں حق سے نفرت کرتا ہوں اور فتنے سے محبت کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا اور متوجہ ہو کر فرمایا، اس شخص کی ان باتوں کا کیا جواب ہے؟ بعض شاگردوں نے کہا، ایسا شخص تو کافر ہو گیا، بعض خاموش رہے۔

آپ نے اس گفتگو کو اس انداز میں سلجھایا اور فرمایا،

یہ شخص جنت کی امید نہیں رکھتا صرف اللہ کی ذات کی امید رکھتا ہے۔ جنت سے اللہ کی محبت اور امید بڑھ کر ہے۔

وہ مردار کھاتا ہے یعنی مچھلی ذبح کیے بغیر کھاتا ہے اور بغیر رکوع اور سجود کے نماز ادا کرتا ہے یعنی نماز جنازہ۔

وہ بلا دیکھے گواہی دیتا ہے، اس نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر اس کی ذات کی گواہی دیتا ہے۔ یہ اس قیامت کی بھی گواہی دیتا ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔

وہ حق سے نفرت کرتا ہے، موت حق ہے اور وہ موت سے نفرت کرتا ہے۔

وہ فتنے سے محبت کرتا ہے، یعنی اسے اپنی اولاد سے محبت ہے جو ایک فتنہ ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر وہ شخص اٹھا اور آپ کے سر کو چومنا اور کہا،

”میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ علم کے سمندر ہیں، ذہانت کے دریا ہیں۔ میں آپ سے متعلق جو خیالات رکھتا تھا، ان سے توبہ کرتا ہوں۔“

35۔ حضرت قتادہ سے مذاکرہ:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو لوگوں کو جمع کیا اور درس کی ایک مجلس منعقد کی۔ عظیم مجمع ہو گیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھ سے فقہ کا کوئی سوال پوچھیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا، اے ابو الخطاب! جو شخص سفر پر جائے اور پھر اسکی

کوئی خبر نہ ملے اسکی بیوی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، وہ عورت چار سال تک انتظار کرے اور اس کا شوہر واپس آ جائے تو

بہتر ورنہ عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔ آپ نے پوچھا، اگر اسکا خاوند چار سال کے بعد آ جائے اور اپنی بیوی کو کہے، اے زانیہ تو

نے کیوں نکاح کر لیا جب کہ میں ابھی زندہ ہوں؟ پھر اس کا دوسرا شوہر کھڑا ہو کر کہے کہ اے زانیہ تو نے کیوں نکاح کیا جبکہ تیرا شوہر سامنے کھڑا ہے؟

بتائیے یہ عورت کیا کرے گی اور کس کی منکوحہ ٹھہرے گی اور اس کے ساتھ کون لعان کرے گا؟

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا یہ صورت پیش بھی آئی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں لیکن علماء کو پہلے سے تیار رہنا چاہیے تاکہ وقت پر تردد نہ ہو۔

یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان مسائل کو چھوڑنا اور مجھ سے قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کرو۔ آپ پھر کھڑے ہوئے اور کہا، اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے:

قال الذی عنده علم من الكتاب انا الیک به قبل ان یرتد الیک طرفک

”اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے۔“ اس آیت میں کون شخص مراد ہے؟

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، آصف بن برخیا جو اسم اعظم جانتے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا سلیمان علیہ السلام اسم اعظم جانتے تھے؟ فرمایا،

نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا ایک نبی کے دربار میں ان کا امتی ان سے بڑھ کر کتاب کا علم رکھتا تھا؟ یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور کہا، مجھ سے

علم کلام کے بارے میں سوال کریں۔

آپ نے پھر کھڑے ہو کر کہا، کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے فرمایا، انشاء اللہ، میں مومن ہوں۔ (اکثر محدثین احتیاط کے طور پر اپنے آپ کو قطعی

مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے پوچھا، آپ نے یہ قید کیوں لگائی؟ (کہ ایمان تو یقین کا نام ہے) انہوں نے جواب میں فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے فرمایا تھا: والذی اطمع ان یغفر لی خطیبتی یوم الدین۔ ”مجھ کو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف فرما دے

گا۔“

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا، اولم تؤمن۔ ”کیا آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے؟“ تو انہوں نے

جواب میں بلی کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی؟ قتادہ رضی اللہ عنہ اس بات پر لا جواب

ہو گئے اور مجلس چھوڑ کر اپنے گھر چلے گئے۔

36۔ خارجیوں سے طویل مناظرہ:

حضرت حماد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی ادراک کی خبر جب خوارج کو پہنچی اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ آپ فسق کی



وجہ سے اہل قبلہ پر کفر کا فتویٰ نہیں دیتے تو ان کے ستر آدمی ایک وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ کے پاس لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا اور آپ کے پاس بیٹھنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ انہوں نے چلا کر کہا، حضرت ہم ایک ملت پر ہیں، آپ اپنے لوگوں کو کہیں کہ وہ ہمیں ملاقات کے لیے قریب آنے کا موقع دیں۔

جب یہ لوگ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے تو سب نے میانوں سے تلواریں نکال لیں اور کہا، تم اس امت کے دشمن ہو، تم اس امت کے شیطان ہو۔ ہمارے نزدیک ستر آدمیوں کے قتل کرنے سے تم جیسے تنہا شخص کو قتل کر دینا بہتر ہے لیکن ہم قتل کرتے وقت ظلم نہیں کریں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھے انصاف دینا چاہتے ہو؟ اگر یہ بات درست ہے تو پہلے اپنی تلواریں میانوں میں کر لو۔ وہ کہنے لگے، ہم انہیں میانوں میں کیوں کر لیں ہم تو انہیں آپ کے خون سے رنگین کرنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، چلو تم اپنا سوال کرو۔ وہ کہنے لگے، مسجد کے دروازے پر دو جنازے آئے ہیں، ایک ایسا شخص ہے جس نے شراب کے نشے میں دھت ہو کر جان دی۔ دوسری ایک عورت کی لاش ہے جس نے زنا کروایا اور اس کے پیٹ میں حرام کی اولاد ہے اس نے شرمساری سے بچنے کے لئے خودکشی کر لی۔ کیا آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟

آپ نے پوچھا، کیا وہ دونوں مرنے والے یہودی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، کیا وہ نصرانی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، کیا وہ مجوسی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، تو وہ کس دین اور کس مذہب پر تھے؟ کہنے لگے، اس دین پر جس کی تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

امام اعظم نے فرمایا، تم خود گواہی دے رہے ہو کہ وہ ملت اسلام پر تھے، اب یہ بتاؤ کہ ان کا ایمان تہائی تھا یا چوتھائی یا پانچواں حصہ تھا؟ وہ کہنے لگے، ایمان کی کوئی مقدار نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا، عجیب بات ہے جب تم خود ہی اقراری ہو کہ وہ مومن تھے پھر پوچھتے ہو کہ ان کی نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ انہوں نے جھینپ کر کہا، ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟

آپ نے فرمایا، جب تم انکے مومن ہونے کے اقرار کے بعد بھی سوالات کرنے سے باز نہیں آتے تو سنو، میں ان کے بارے میں وہی کہوں گا جو ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم کے بارے میں کہا تھا جو جرم میں ان سے بڑھ کر تھی۔

فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور الرحيم -

”تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشے والا مہربان ہے۔“ (ابراہیم: ۳۶، کنز الایمان)

پھر ان کے بارے میں مجھے یہی کہنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کے متعلق کہا تھا جو ان سے جرم میں بڑھ کر تھے۔

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم - ”اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔“ (المائدہ: ۱۱۸، کنز الایمان)

میں ان سے حضرت نوح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق سلوک کروں گا۔ آپ نے فرمایا تھا، ”کافر بولے، کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کہنے ہوئے ہیں؟ فرمایا، مجھے کیا خبر انکے کام کیا ہیں، ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو، اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں، میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔“ (الشعراء: ۱۱۵ تا ۱۱۷)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ان زبردست دلائل کے سامنے خوارج نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس مجلس میں اعلان کیا کہ آج ہم ان تمام نظریاتِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جس پر اب تک ہم عمل پیرا تھے اور ہم آپ کے نظریات کی روشنی میں دین اسلام کو اختیار کرتے ہیں۔

پس جب خوارج کا یہ وفد وہاں سے روانہ ہوا تو اپنے خیالات سے توبہ کر کے روانہ ہوا اور انہوں نے اہلسنت و جماعت کے عقائد اختیار کر لیے۔

37۔ امام اوزاعی سے گفتگو:

امام اوزاعی اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کی مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے

ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظم نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا، کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس کے جواب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم سے حماد نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزہری عن سالم عن ابیہ۔ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدیثی حماد عن ابراہیم عن علقمہ۔

امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی فقہ میں برتری سب ہی کو معلوم ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے حدیث کو علو سند سے ترجیح دی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر حدیث کی فوقیت بیان کی۔ یہ جواب سن کر امام اوزاعی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

38۔ گانے والی عورتیں:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ہمراہ کوفہ کے باہر سیر کو گئے، واپسی پر راستہ میں قاضی ابن ابی لیلیٰ مل گئے۔ انہوں نے سلام کیا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے لگے۔ جب ایک باغ میں پہنچے تو وہاں کچھ ایسی گانے بجانے والی عورتیں گارہی تھیں جو کوفہ میں بدنام سمجھی جاتی تھیں۔ ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو خاموش ہو گئیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، احسنن۔ ”تم نے خوش کر دیا“۔ ابن ابی لیلیٰ نے امام صاحب کے یہ الفاظ یاد رکھے تاکہ کسی مجلس میں انہیں شرمسار کرنے کے لیے بیان کیے جائیں۔

ایک دن اس نے عدالت میں کسی گواہی کے لیے آپ کو بلایا، حضرت نے گواہی تحریر کر دی مگر ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ آپ نے گانے بجانے والی عورتوں کو احسنن کہا تھا اور ان فاحشہ عورتوں کو داد دی تھی۔ آپ نے دریافت کیا، میں نے انہیں کب احسنن کہا، جب گارہی تھیں یا جب وہ خاموش ہو گئی تھیں؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، جب وہ خاموش ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! میں نے تو انہیں احسنن ان کے خاموش ہونے اور گانا بند کرنے پر کہا تھا نہ کہ ان کے گانے بجانے پر۔ یہ سنتے ہی ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی خاموشی سے قبول کر لی۔

39۔ وہ بہت بڑا فقیہ ہے:

جن دنوں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہے تھے تو وہاں کا گورنر یحییٰ بن موسیٰ تھا، اسے ایک فیصلہ میں ایک شرط لکھوانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے وقت کے دو بڑے فقیہ علماء ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کو طلب کیا۔ مگر ابن شبرمہ جو شرط لکھواتے اسے ابن ابی لیلیٰ رد کر دیتے اور جو شرط ابن ابی لیلیٰ پیش کرتے اسے ابن شبرمہ توڑ دیتے۔ اسی دوران امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، آپ کو گورنر نے شرط لکھوانے کا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کاتب کو بلائیے، میں اسے ابھی لکھوادیتا ہوں۔

آپ نے کاتب کو جو تحریر لکھوائی اسے توڑنے کی کسی کوجرات نہ ہوئی۔ چنانچہ یہ تحریر ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کے سامنے پڑھی گئی تو دونوں انگشت بندھاں ہو کر رہ گئے۔ جب وہ گورنر کی محفل سے باہر نکلے تو ایک نے دوسرے کو کہا، دیکھا اس جو لا ہے (کپڑا بیچنے والے) نے مسئلہ کو کیسے حل کر دیا۔ دوسرے نے کہا، ایک جو لا ہے کو ایسی تحریر لکھوانے کی ہمت نہیں ہوتی، بیشک وہ ایک بہت بڑا فقیہ ہے، اس نے سب علماء کو دنگ کر کے رکھ دیا ہے۔

40۔ آیت کی تفسیر:

ایک مرتبہ امام عطاء بن ابن رباح رضی اللہ عنہ کے پاس امام اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس آیت کے بارے میں سوال کیا، و آتیناہ اہلہ و مثلہم معہم۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے اہل و عیال واپس کر دیے اور ان کے ساتھ انکی مثل اولاد عنایت فرمائی۔



یدین، آمین باکھر، قرآنہ خلف الامام ودیگر مسائل پر ہم علیحدہ سے ایک باب میں گفتگو کریں گے۔

”مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے مثلاً نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ قیاس کے خلاف ہے امام مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ یہ ناقص وضو نہیں۔ امام محمد رضی اللہ عنہ اس بارے میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ ”روزے میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا“۔ حالانکہ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ کیونکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ جب کھاپی لیا تو روزہ ختم۔ امام نے فرمایا، ”اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتی تو میں روزہ قضا کرنے کا حکم دیتا“۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۰۷)

اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ قیاس کی رو سے تو قرعہ اندازی درست معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم قیاس کو حدیث اور سنت نبوی کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلے عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حیض کی مدت پندرہ دن ہے مگر جب آپ کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی کہ ”حیض کی مدت تین دن سے دس دن تک ہے باقی ایام اگر خون آئے تو استحاضہ ہے“ تو آپ نے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا اور قیاس ترک کر دیا۔ (مناقب للموفق: ۱۰۳)

جب آپ کی امام باقر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، سنا ہے تم قیاس کی بناء پر ہمارے نانا رسول کریم ﷺ کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو؟ آپ نے عرض کی، یہ سراسر بہتان ہے۔ دیکھیے! عورت مرد سے کمزور ہے لیکن وراثت میں اس کا حصہ مرد سے نصف ہے۔ اگر میں قیاس کرتا تو فتویٰ دیتا کہ عورت کو مرد سے دو گنا حصہ ملنا چاہیے لیکن میں ایسا نہیں کرتا۔ اسی طرح نماز، روزے سے افضل ہے جبکہ حاکمہ عورت پر روزے کی قضا ہے، نماز کی نہیں۔ اگر میں قیاس کرتا تو حیض سے پاک ہونے والی عورت کو نماز کی قضاء کا بھی حکم دیتا مگر میں حدیث کے مطابق روزے ہی کی قضاء کا حکم دیتا ہوں۔ یونہی پیشاب منی سے زیادہ نجس ہے۔ اس لیے اگر میں قیاس کرتا تو پیشاب کرنے والے کو غسل کا حکم دیتا اور احتلام والے کو صرف وضو کے لیے کہتا۔ لیکن میں احادیث کے مقابل قیاس نہیں کرتا۔ یہ سن کر امام باقر رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (مناقب للموفق: ۱۲۶)

اسی طرح شرعی احکام والی روایت کا ایک سے زیادہ صحابہ سے منقول ہونا ضروری ہے۔ اس لیے عضو خاص کو چھونے سے وضو ٹوٹنے والی حدیث پر عمل نہیں کیا گیا جس کو صرف حضرت بسرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا روایت کیا حالانکہ اس کا جاننا عام لوگوں کے لیے ضروری تھا۔ (الخیرات الحسان: ۲۶۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو کسی فنی سقم کی بناء پر نامقبول ہو اور اسکے مقابل صحیح حدیث موجود ہو۔ آپ چھو ہاروں کے بدلے میں تازہ کھجور کی تجارت جائز قرار دیتے ہیں۔ اہل بغداد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو چھو ہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ حدیث زید بن ابی عیاش پر موقوف ہے اور ان کی روایت متروک سمجھی جاتی ہے اس لیے یہ نامقبول اور شاذ ہے۔ جبکہ صحیح حدیث کی رو سے یہ تجارت جائز ہے۔ (فتح القدیر ج ۵: ۲۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو حضور ﷺ کی خصوصیت ہو اور حضور ﷺ کے بعد کسی صحابی نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر بخاری میں حضور ﷺ کے نجاشی بادشاہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس وقت نجاشی کا جنازہ نبی کریم ﷺ کی نگاہ پاک سے اوجھل نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۳: ۲۵، فتاویٰ رضویہ ج ۹: ۳۳۷)

یعنی اس طرح نماز جنازہ ادا کرنا صرف حضور ﷺ ہی کی خصوصیت تھا۔ آپ کے بعد دور صحابہ میں بیشار مسلمان فوت ہوئے مگر کبھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کی گئی۔ اس بناء پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے۔ اس بارے میں تفصیل جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کا تحقیقی اور مدلل رسالہ، فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

عمل بالحدیث کے حوالے سے شارح بخاری رقمطراز ہیں، ”احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ فقہ کی تعریف ہی دراصل تصوف و طریقت کی اصل ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کے اخلاص، صداقت و دیانت، عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کے باعث رب تعالیٰ نے آپ کو تصوف و طریقت میں بلند درجہ عطا کیا اور امامت و اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا۔ اسی بناء پر امت مسلمہ کی عظیم اکثریت، تین چوتھائی حصہ آپ کا مقلد ہے۔

۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اسکی تائید حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے خواب میں آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت کی اور دیکھا کہ آپ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں، خواب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان پاک لوگوں میں سے تھے جو اوصاف طبع میں فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی ہیں اس لیے کہ حضور ﷺ آپ کو اٹھا کر لائے یعنی آپ کے چلانے والے سید عالم ﷺ ہیں۔ اگر آپ خود چل کر آتے تو باقی الصفت ہوتے۔

باقی الصفت لوگ منزل کو پا بھی سکتے ہیں اور منزل سے بھٹک بھی سکتے ہیں۔ چونکہ رسول کریم ﷺ نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا اس لیے یقیناً آپ کی ذاتی صفات فنا ہو چکی تھیں اور وہ آقا کریم ﷺ کی صفات کے ساتھ صاحب ہوا تھے۔ حبیب کبریا ﷺ سہو و خطا سے بالاتر اور معصوم ہیں اس لیے یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو و خطا کا مرتکب ہو سکے۔ (کشف المحجوب: ۱۶۵)

حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد تھے۔ مقدمہ درمختار میں ہے کہ کثیر اولیاء کرام آپ کے مذہب حنفی کے پیروکار ہیں اور اولیاء کرام بھی وہ کہ جو کشف و مشاہدات کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس میں ذرا بھی شک و شبہ پاتے تو ہرگز آپ کی پیروی کرتے نہ تقلید کرتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے تعلیم میں مجھے شافعی مذہب اختیار کرنے کا خیال آیا تو میں نے اپنے مرشد شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ سے عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا، ہمارے نزدیک رائج یہ ہے کہ حق امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ میں نے پوچھا، آپ یہ بات دلائل کی بنا پر کہتے ہیں یا کشف اور مشاہدہ کی بنا پر؟ تو انہوں نے فرمایا، ”ہم اسی طرح محسوس کرتے ہیں۔“ (تعارف فقہ و تصوف: ۲۳۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بھی دل کی آنکھوں سے پڑھنے کے لائق ہے، ”کشف کی نظر میں مذہب حنفی عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔“ (مکتوبات دفتر دوم: ۵۵)

امام ابن حجر مکی شافعی کی گواہی بھی ملاحظہ فرمائیے، آپ فرماتے ہیں، ”امام اعظم ان ائمہ اسلام میں سے ہیں جو خدا کے اس فرمان کا مصداق ہیں کہ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَخَافُوْنَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخْزَوْنَ..... الخ۔“ ”سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔“ (سورہ یونس: ۶۲-۶۳)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ائمہ مجتہدین و علماء عالمین میں سے ہر ایک محیر العقول کمالات رکھتا تھا اور ان سے ایسے احوال و کرامات صادر ہوتے تھے جن کا سوائے جاہل دشمن کے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ حضرات دراصل شریعت و حقیقت کے جامع تھے۔“ (الخیرات الحسان: ۶۰)

امام اعظم اور کشف و فراست:

اولیاء کرام کا ایک روحانی وصف ”کشف و مشاہدہ“ ہے۔ متعدد واقعات شاہد ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر بھی اپنی باطنی فراست سے جو بات ارشاد فرمائی وہ پوری ہوئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انکی والدہ اکثر انہیں درس سے لے جاتی تھیں تاکہ کچھ کمزوری لائیں۔ ایک دن امام اعظم نے انکی والدہ سے فرمایا، ”تم اسے علم سکھنے دو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن یہ روغنِ پست کے ساتھ فالودہ کھائے گا۔“ یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

مدت بعد ایک دن خلیفہ ہارون رشید کے دسترخوان پر فالودہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ خلیفہ



نے کہا، فالودہ اور روغنِ پستہ۔ یہ سن کر آپ ہنس پڑے۔ خلیفہ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو مذکورہ واقعہ بیان فرمایا۔ خلیفہ نے کہا، علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے، وہ باطن کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴: ۲۳۵)

حدیث مبارکہ ہے، ”مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے“۔ آپ نے ایک بار اپنی فراست سے امام داؤد طائی سے فرمایا، تم عبادت کے ہی ہو رہو گے، امام ابو یوسف سے فرمایا، تم دنیا کی طرف مائل ہو گے (یعنی دنیاوی منصب قبول کرو گے اور مالدار ہو جاؤ گے)، اسی طرح امام زُفر وغیرہ کی نسبت بھی مختلف رائے ظاہر کی۔ آپ نے جس کے متعلق جو فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ (ایضاً: ۲۳۸) رحمہم اللہ تعالیٰ

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کشف و مشاہدہ کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

”عارف ربانی امام شعرانی رحمہ اللہ نے میزان الشریعہ الکبریٰ میں فرمایا کہ میں نے سیدی علی خواص شافعی رحمہ اللہ (جو اکابر اولیاء میں سے تھے) کو فرماتے سنا ہے کہ ”امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں جن پر بڑے بڑے صاحبان کشف، اولیاء اللہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں“۔

آپ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ جب وضو میں استعمال شدہ پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر و کبائر و مکروہات ہوتے انکو پہچان لیتے تھے۔ اس لیے جس پانی کو مکلف نے استعمال کیا ہو، آپ نے اسکے تین درجات مقرر فرمائے۔

اول: وہ نجاستِ مغلظہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مکلف نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

دوم: وہ نجاستِ متوسطہ ہے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

سوم: وہ ظاہر غیر مطہر ہے، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو۔

انکے بعض مقلد یہ سمجھے کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تین اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲ صفحہ ۶۳)

معروف احادیث میں آیا ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو اسکے اعضاء سے گناہ وُحَل جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اصحاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو دُحلتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہل شہود کے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاستِ مغلظہ ہے کیونکہ وہ اس پانی کو گندگیوں میں ملوث دیکھتے تھے، تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اس کے علاوہ اور کیا حکم لگا سکتے تھے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے تو وہ لوگوں کے وضو اور غسل کے پانی کو نہایت گندہ اور بدبودار دیکھے گا اور اسے استعمال نہ کرے گا جیسے وہ اس پانی کو استعمال نہیں کرتا جس میں کتیا یا بلی مر گئی ہو۔ میں نے ان سے کہا، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اہل کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے۔ تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں!

امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ بڑے اہل کشف تھے۔ (ایضاً: ۶۴)

مزید فرمایا، ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے اور پانی کے قطرات اسکے اعضاء سے ٹپک رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا، اے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک شخص کے وضو کا مستعمل پانی دیکھا تو فرمایا، شراب نوشی اور گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس شخص نے توبہ کی۔ (ایضاً: ۶۵)

آپ کا وصال:

خلیفہ منصور نے آپکو چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کے عہدہ کے لیے بغداد بلایا اور یہ لالچ دیا کہ دنیا کے تمام قاضی آپکے ماتحت ہوں گے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں آپکو قید کر دیا گیا۔ وہ روز آپ کو پیغام بھیجتا کہ اگر رہائی چاہتے ہو یہ عہدہ قبول کر لو لیکن آپ ہر بار انکار

کر دیتے، ادھر اسکے درباری خلیفہ کو بھڑکاتے کہ یہ تو آپ کی سخت توہین ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آپ کو روزانہ قید سے نکال کر دس کوڑے لگائے جائیں اور اسکا بازاروں میں اعلان کیا جائے، چنانچہ آپ کو دروناک طریقہ سے مارا گیا یہاں تک کہ خون بہہ کر آپ کی ایڑیوں پر گرنے لگا۔ اس طرح دس دن تک آپ کو روزانہ دس کوڑے مارے گئے۔

پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ اس بدترین ظلم و ستم کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی تو خلیفہ کے حکم سے آپ کو جیل میں زہر دیدیا گیا۔ اس طرح ظاہری اور خفیہ طور پر آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ سر بسجود ہو گئے اور سجدے کی حالت میں آپ کی شہادت ہوئی۔ (مناقب للموفق: ۴۲۵، الخیرات الحسان: ۲۲۵)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”محض قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے خلیفہ آپ کو اس ظالمانہ طریقے سے شہید نہیں کر سکتا تھا دراصل آپ کے بعض دشمنوں نے خلیفہ سے خفیہ طور پر کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو خلافت عباسیہ سے بغاوت پر اکسایا تھا (انہوں نے بصرہ میں عباسی خلیفہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا) اور انکی مالی مدد بھی کی تھی۔ اس بات سے خلیفہ منصور بہت ڈرا کیونکہ آپ عزت و وجاہت والے اور مالدار تاجر تھے۔ چنانچہ اس نے آپ سے عہدہ قضا قبول کرنے کو کہا جبکہ اسے علم تھا کہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔ اس نے صرف اس لیے ایسا کہا تا کہ یہ آپ کے قتل کا بہانہ بن جائے۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ماہ رجب یا شعبان میں ۱۵۰ھ میں ہوا۔

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، حضرت حسن بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ حضرت محمد بن عبد اللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کا نام لیکر روتے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔ آپ اہل بیت کی محبت سے سرشار تھے اور خلافت عباسیہ کو غلط سمجھتے تھے۔ (مناقب: ۴۶۰)

عبد اللہ بن واقد رحمہ اللہ (اہل ہرات کے امام) فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حسن بن عمارہ رحمہ اللہ نے غسل دیا اور میں نے بدن مبارک پر پانی ڈالنے کا شرف حاصل کیا۔“ جب امام اعظم رحمہ اللہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو بغداد میں لوگوں کا سمندر موجزن تھا جن میں اکثر دھاڑیں مار مار کر رورہے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں، امام اعظم کے ولی صاحبزادہ جلیل حضرت سیدنا حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔ جب انہوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی تو پھر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ، الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں، امام اعظم کے غسل سے فارغ ہونے تک بغداد میں اس قدر خلقت جمع ہو گئی کہ جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقال امام کی خبر پکار دی تھی۔ نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا، پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا کہ اس سے بھی زیادہ تھے۔ ان پر چھ بار نماز ہوئی اور آخری مرتبہ صاحبزادہ امام حضرت حماد رحمہ اللہ نے پڑھی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۹: ۳۴۱)

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے جنازے پر اس قدر لوگ آئے کہ آپ کی نماز جنازہ چھ بار پڑھی گئی۔ آخری مرتبہ آپ کے بیٹے حضرت حماد بن نعمان رحمہما اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تقریباً 20 دن تک آپ کی قبر انور پر نماز ہوتی رہی۔ آپ کی وصیت تھی کہ چونکہ خلیفہ کے محلات کے ارد گرد لوگوں کی غصب شدہ زمین ہے اس لیے مجھے مقبرہ خیراں کی وقف شدہ زمین میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپ کو وہاں دفن کیا گیا۔

خلیفہ منصور نے احساسِ ندامت کم کرنے کے لیے بیس دن گزرنے کے بعد آپ کے مزار پر آ کر نماز جنازہ ادا کی۔ جب اسے بتایا گیا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کو ان کی اس وصیت کے پیش نظر مقبرہ خیراں میں دفن کیا گیا ہے تو منصور نے کہا، ابو حنیفہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو نے زندگی میں بھی مجھے شکست دی اور موت کے بعد بھی مجھے شرمندہ کیا ہے۔ (مناقب للموفق: ۴۲۹)

جب آپ کے وصال کی خبر ابن جریج رحمہ اللہ علیہ، فقیہ مکہ کو پہنچی جو امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ تھے تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا، ”کوفہ سے علم کا نور بجھ گیا اور اب ان کی مثل وہ کبھی نہ دیکھیں گے۔“ (الخیرات الحسان: ۲۲۸)

۲۵۹ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپ کے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ بنوایا اور ایک مدرسہ بھی۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۹)



صدقۃ المغابری رحمہ اللہ (جن کی دعا قبول ہوتی تھی) فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو مسلسل تین راتوں تک غیب سے یہ آواز آئی رہی،

”فقیر چلا گیا اب تمہارے لیے فقہ نہیں، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے جانشین بنو۔ نعمان کا وصال ہو گیا، اب کون ہے جو شب کو بیدار ہو جب وہ پردے پھیلا دے۔“

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس رات آپ کا وصال ہوا اس رات آپ پر جنات روئے۔

(الخیرات الحسان: ۲۲۹)

جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ آپ کی قبر مبارک پر آئے تو فرمایا، ”اللہ آپ پر رحم کرے، حضرت ابراہیم نخعی اور امام حماد رحمہما اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنا نائب چھوڑا مگر آپ نے اپنے وصال کے بعد روئے زمین پر اپنا نائب نہ چھوڑا۔“ پھر بہت روئے۔ (ایضاً: ۲۳۳)

مزار کی برکتیں:

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”جاننا چاہیے کہ علماء اور دیگر حاجت مند آپ کی قبر کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ کے پاس آ کر اپنی حاجات کے لیے آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیابی پاتے ہیں ان میں امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے، میں امام ابو حنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔“ (الخیرات الحسان: ۲۳۰)

اچھے خواب:

حدیث پاک ہے، ”اچھے خواب نبوت کا چھایا لیساں حصہ ہیں۔“ کسی کی بزرگی، عظمت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے اچھے خواب بیان کرنا اچھا فعل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ”جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔“ (بخاری)

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”حضور ﷺ نے خواب یا بیداری میں کچھ فرمایا، وہ حق ہے۔“ (اوشحہ الجید)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے خواب میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا دیدار کیا۔ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول رہے ہیں۔ اس کی تعبیر امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے یہ دی کہ آپ حضور ﷺ کی احادیث میں سے وہ علوم پھیلائیں گے جو آپ سے قبل کسی نے نہ پھیلائے ہونگے اور آپ کو سنت نبوی محفوظ کرنے میں بلند مقام حاصل ہوگا۔

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے بعض اصحاب نے خواب میں دیکھا کہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہیں اور آپ جو فرماتے ہیں کوئی اس کا انکار نہیں کرتا۔ پھر آپ نے بہت سی مٹی لے کر چاروں سمت میں پھینک دی۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ یہ شخص فقیہ یا عالم ہے اور یہ احادیث رسول ﷺ سے وہ علوم و معارف ظاہر کرے گا جو لوگوں نے ظاہر نہ کیے اور اس کے نام کی شہرت مشرق و مغرب بلکہ تمام دنیا میں ہوگی۔

ازہر بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دیدار کیا تو حضرات شیخین سے عرض کی، میں آقا کریم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا، پوچھو مگر آواز بلند نہ ہونے پائے۔ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ میں ان کے متعلق اچھا خیال نہ رکھتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ”ان کا علم حضرت خضر علیہ السلام کے علم سے ہے۔“

اور میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ آسمان سے تین ستارے پے در پے زمین پر گرے اور ابو حنیفہ، مسعر بن کدام اور سفیان ثوری بن گئے۔ (رحمہم اللہ) یہ خواب محمد بن مقاتل رحمہ اللہ سے بیان کیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا، ”واقعی یہ علماء دین کے ستارے ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۲۳۳)

فضل بن خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کی تو عرض کیا، میرے آقا! آپ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا، ”یہ ایسا علم ہے کہ جس کی لوگوں کو ضرورت ہے۔“

مسدود بن عبد الرحمن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں مکہ میں رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان فجر سے پہلے سو گیا تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں ہے اور جس کا نام نعمان بن ثابت ہے۔ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ تو آپ نے فرمایا: ”ہاں! ان سے علم حاصل کرو۔ وہ بہت اچھے فقیہ ہیں۔“ تو میں خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہوئے بیدار ہوا کیونکہ میں نعمان رحمہ اللہ کو بہت برا سمجھتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے محبوب ہو گئے۔“ (ایضاً: ۲۳۹، مناقب للموفق: ۴۵۴)

یہ تو ان خوابوں کا بیان تھا جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے وصال سے قبل دیکھے گئے۔ اب وہ خواب بیان کیے جاتے ہیں جو آپ کے وصال کے بعد دیکھے گئے۔

حضرت حفص بن غیاث رحمہ اللہ نے فرمایا: ”امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا، فرمایا، مجھے بخش دیا گیا۔ میں نے پوچھا، آپ کے قیاس کا کیا بنا؟ فرمایا، میرا قیاس عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا نکلا۔“

مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ تفسیر کے امام تھے۔ انکی مجلس میں ایک شخص نے اٹھ کر پہلے لوگوں سے اپنے نیک ہونے کی گواہی لی اور پھر یہ خواب بیان کیا، کہ میں نے دیکھا، ”ایک شخص سفید پوشاک پہنے آسمان سے بغداد کے سب سے اونچے مینار پر اتر رہا ہے اور پھر سارے شہر میں اعلان ہوتا ہے لوگو! زیارت کرو۔“ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آج دنیا نے اسلام کا کوئی بہت بڑا عالم رخصت ہو گیا ہوگا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ گزشتہ روز امام اعظم رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر مقاتل رحمہ اللہ خوب روئے اور فرمایا، آج وہ رخصت ہو گیا جو امتِ مصطفیٰ ﷺ کی مشکلات آسان کیا کرتا تھا۔“ (مناقب للموفق: ۴۵۲)

صالح بن خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہیں اسی اثناء میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ کی تعظیم کی اور حضور ﷺ اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ (ایضاً: ۴۵۴)

اسی طرح ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں اور آپ ایک بہت بڑے رجسٹر میں بعض لوگوں کے نام اور انکے لیے انعامات لکھتے جا رہے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا اور یہ رجسٹر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میرے عمل اور مذہب کو قبولیت عطا فرمائی اور مجھے بخش دیا، پھر امتِ مصطفویٰ ﷺ کی لیے میری دعائیں اور شفاعت بھی قبول فرمائی۔ پوچھا گیا، آپ کتنے علم والے کے نام لکھ رہے ہیں؟ فرمایا، جسے اتنا بھی علم ہو کہ راکھ سے تیم ناجائز ہے تو اس کا نام بھی لکھ لیتا ہوں۔ (ایضاً: ۴۵۵)

سیدنا علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت معاذ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کا دیدار کیا اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، عند علم ابی حنیفہ۔ ”ابو حنیفہ کے علم میں۔“

داتا صاحب رحمہ اللہ پھر اپنا واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور ﷺ باب شیبہ سے تشریف لائے اور ایک بوڑھے آدمی کو اس طرح گود میں لیے ہوئے تھے جیسے والدین چھوٹے بچوں کو سینے سے چمٹا لیتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی اور میں حیران تھا کہ یہ خوش نصیب معمر شخص کون ہے جسے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے سینہ مبارک سے لگایا ہوا ہے۔

حضور ﷺ نے میرے دل کی بات سمجھ لی اور فرمایا، ”یہ مسلمانوں کا امام ہے اور تیرے دیار کا رہنے والا ابو حنیفہ ہے۔“ (کشف المحجوب: ۱۶۵)

یہ بات غور طلب ہے کہ کوئی بڑا آدمی اگر آگے چل رہا ہو اور بچہ اسکے پیچھے چلے تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ بچہ گرنے جائے۔ یونہی کوئی بچہ اگر کسی بڑے کی انگلی پکڑ کر چلے تو بھی گرنے کا امکان موجود ہوتا ہے۔ داتا صاحب رحمہ اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ آقا و مولیٰ ﷺ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور نہ ہی یہ دیکھا کہ وہ آقا کریم ﷺ کی انگلی پکڑ کر چل رہے ہیں بلکہ یہ دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ خود نہیں چل رہے بلکہ مصطفیٰ کریم ﷺ انہیں گود میں لے کر چلا رہے ہیں اس لیے ان کی فقہ میں خطا نہیں ہے۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں،

”رسول کریم ﷺ سہو و خطا سے بالاتر ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو و خطا کا مرتکب ہو سکے۔“ (ایضاً: ۱۶۶) سبحان اللہ!



## باب پنجم (5)

وصایا اور نصیحتیں:

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو چند نصیحتیں فرمائیں جو ظاہری اصلاح اور باطنی تربیت میں بنیادی اور اہم حیثیت کی حامل ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا،

”تم سب میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میرا حزن و ملال دور کرنے والے ہو۔ میں نے تمہارے لیے فقہ کی سواری تیار کی، اسکی زین کس دی اور اسکی لگام تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم تمہارے فیصلے سنا کریں گے اور تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچانا۔ جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے ان کا حاکم نہ بنے۔ لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضاۃ سے علیحدہ ہو جانا، تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چٹے نہ رہنا۔ ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر قضاۃ کے منصب پر قائم رہ کر خلق خدا کی امداد کرنا۔

ایسے لوگ جو امور دنیا سے علیحدہ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں ان کے لیے تنخواہ حلال ہے۔ اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگا دینا کہ وہ تمہیں مل نہ سکیں۔ ان کے لیے اپنی عدالتوں کے دروازے کھلے رکھنا، پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا، جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لیے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ عشاء کے بعد تین بار یہ اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جاسکو تو اتنے دنوں کی تنخواہ نہ لینا۔ یاد رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں۔ اگر کوئی گناہ یا جرم کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔ (مناقب للموفق: ۷/۲ ملخصاً)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص شاگردوں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام یوسف بن خالد سستی رحمہ اللہ کے نام جو وصایا تحریر فرمائے وہ بلاشبہ نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک مشفق باپ، مہربان استاد، عظیم دانشور اور ماہر نفسیات ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں بلکہ آپ کے عمر بھر کے تجربات کا فچوڑ، اسلامی تعلیمات کا عطر اور دینی و دنیاوی امور میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ مزید یہ کہ یہ نصیحتیں خواص و عوام دونوں کے لیے یکساں نصیحت آموز ہیں۔ یہ دونوں وصایا پیش خدمت ہیں:-

1۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ذات سے رشد و ہدایت اور حسن سیرت و کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ لوگوں سے معاملات کی جانب متوجہ ہوئے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ وصیت فرمائی کہ اے یعقوب!!! حاکم کے ساتھ محتاط طرز عمل:

سلطان وقت کی عزت کرو اور اس کے مقام کا خیال رکھو۔ اور اس کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور سے پرہیز کرو۔ اور ہر وقت اس کے پاس حاضر نہ رہو جب تک کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے۔ کیونکہ جب تم اس سے کثرت سے ملو گے تو وہ تمہیں حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور تمہارا مقام اس کی نظروں سے گر جائے گا۔ پس تم اسکے ساتھ ایسا معاملہ رکھو جیسا کہ آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ تم اس سے نفع بھی اٹھاتے ہو اور دور بھی رہتے ہو، اس کے قریب تک نہیں جاتے کیونکہ اکثر حاکم اپنی ذات اور اپنے مفادات کے علاوہ کچھ اور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

تم حاکم کے قریب کثرت کلام سے بچو کہ وہ تمہاری گرفت کرے گا تاکہ اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ دکھلا سکے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور تمہارا محاسبہ کرے گا تاکہ تم اس کے حواریوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ۔ بلکہ ایسا طرز عمل اختیار کرو جب اس کے دربار میں جاؤ تو وہ دوسروں کے مقابلے میں تمہارے رتبہ کا خیال رکھے۔ اور سلطان کے دربار میں کسی ایسے وقت نہ جاؤ جب وہاں دیگر ایسے اہل علم موجود ہوں جن کو تم جانتے نہ ہو۔ اس لئے کہ

اگر تمہارا علمی رتبہ ان سے کم ہوگا تو ممکن ہے کہ تم ان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کرو مگر یہ جذبہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اگر تم ان سے زیادہ صاحب علم ہو تو شاید تم ان کو کسی بات پر جھڑک دو اور اس وجہ سے تم حاکم وقت کی نظروں سے گر جاؤ۔

جب سلطان وقت تمہیں کوئی منصب عطا کرے تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے یا تمہارے مسلک سے علم و قضا یا کے بارے میں مطمئن ہے تا کہ فیصلوں میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کی حاجت نہ ہو۔ اور سلطان کے مقربین اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھنا، صرف سلطان وقت سے رابطہ رکھنا اور اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہنا تا کہ تمہارا وقار اور عزت برقرار رہے۔  
عوام کے ساتھ محتاط طرز عمل:

عوام کے پوچھے گئے مسائل کے علاوہ ان سے بلا ضرورت بات چیت نہ کیا کرو۔ عوام الناس اور تاجروں سے علمی باتوں کے علاوہ دوسری باتیں نہ کیا کرو تا کہ ان کو تمہاری محبت و رغبت میں مال کا لالچ نظر نہ آئے ورنہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کر لیں گے کہ تم ان سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو۔ عام لوگوں کے سامنے ہنسنے اور زیادہ مسکرانے سے باز رہو اور بازار میں بکثرت جایا نہ کرو۔ بے ریش لڑکوں سے زیادہ بات چیت نہ کیا کرو کہ وہ فتنہ ہیں البتہ چھوٹے بچوں سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو۔  
عام لوگوں اور بوڑھے لوگوں کے ساتھ شاہراہ پر نہ چلو، اس لئے کہ اگر تم ان کو آگے بڑھنے دو گے تو اس سے علم دین کی بے توقیری ظاہر ہوگی اور اگر تم ان سے آگے چلو گے تو یہ بات بھی معیوب ہوگی کہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بزرگوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

کسی راہنڈر پر نہ بیٹھا کرو اور اگر بیٹھنے کا دل چاہے تو مسجد میں بیٹھا کرو۔ بازاروں اور مساجد میں کوئی چیز نہ کھایا کرو۔ پانی کی سبیل اور وہاں پانی پلانے والوں کے ہاتھ سے پانی نہ پو۔ مخمل، زیور اور انواع و اقسام کے ریشمی ملبوسات نہ پہنو کہ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے اور رعونت جھلکتی ہے۔  
ازدواجی آداب:

اپنی فطری حاجت کے وقت بقدر ضرورت گھنگلو کے سوا بستر پر اپنی بیوی سے زیادہ بات نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ کثرت سے لمس و مس اختیار نہ کرو، اور جب بھی اسکے پاس جاؤ تو اللہ کے ذکر کے ساتھ جاؤ۔ اور اپنی بیوی سے دوسروں کی عورتوں کے بارے میں بات نہ کیا کرو کہ وہ تم سے بے تکلف ہو جائیں گی اور بہت ممکن ہے کہ جب تم دوسری عورتوں کا ذکر کرو گے تو وہ تم سے دوسرے مردوں کے متعلق بات کریں گی۔  
اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرو جس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہو اور باپ، ماں یا سابقہ خاوند سے لڑکی موجود ہو۔ لیکن صرف اس شرط پر کہ تمہارے گھر اس کا کوئی رشتہ دار نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ جب عورت مال دار ہو جاتی ہے تو اس کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ اس عورت کے پاس جو بھی مال ہے وہ سب اس کا ہے اور اس عورت کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہے۔ اور دوسری شرط یہ رکھے کہ جہاں تک ممکن ہو گا وہ بھی اپنے والد کے گھر نہیں جائے گی۔

اور نکاح کے بعد تم اس بات پر راضی نہ ہو جانا کہ تم شپ زفاف سسرال میں گزارو گے ورنہ وہ لوگ تمہارا مال لے لیں گے اور اپنی بیٹی کے سلسلہ میں انتہائی لالچ سے کام لیں گے۔ اور صاحب اولاد خاتون سے شادی نہ کرنا کہ وہ تمام مال اپنی اولاد کے لئے جمع کرے گی اور ان پر ہی خرچ کرے گی اس لئے کہ اس کو اپنی اولاد تمہاری اولاد سے زیادہ پیاری ہوگی۔ تم اپنی دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں نہ رکھنا، اور جب تک دو بیویوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی قدرت نہ ہو، دوسرا نکاح نہ کرنا۔

امور زندگی کی ترتیب:

(امور زندگی کی بہترین ترتیب یہ ہے کہ) پہلے علم حاصل کرو پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو اور پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرو۔ علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے کی جدوجہد کرو گے تو تم حصول علم سے قاصر رہو گے۔ اور یہ مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا اور تحصیل علم سے قبل ہی تمہیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کر دے گا، اس طرح تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا۔ اور جب تمہارے اہل و



عیال کی کثرت ہو جائے گی تو تمہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہو جائے گی اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے۔

اس لیے علم حاصل کرو آغاز شباب میں جب کہ تمہارے دل و دماغ دنیا کے بکھیزوں سے فارغ ہوں پھر مال کمانے کا مشغلہ اختیار کرو تا کہ شادی سے قبل تمہارے پاس بقدر ضرورت مال ہو کہ اسکے بغیر اہل و عیال کی ضروریات دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں لہذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ہی ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہیے۔

سیرت و کردار کی تعمیر:

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کی خیر خواہی کا خصوصی خیال رکھو اور لوگوں کو عزت دو تا کہ وہ تمہاری عزت کریں۔ ان کی ملنساری سے پہلے ان سے زیادہ میل جول نہ رکھو اور ان سے میل جول میں مسائل کا تذکرہ بھی کرو کہ اگر مخاطب اس کا اہل ہوگا تو جواب دے گا۔ اور عام لوگوں سے دینی امور کے ضمن میں علم کلام (عقائد کے عقلی دلائل) پر گفتگو سے پرہیز کرو کہ وہ لوگ تمہاری تقلید کریں گے اور علم کلام میں مشغول ہو جائیں گے۔

جو شخص تمہارے پاس استفتاء کے لئے آئے اس کو صرف اس کے سوال کا جواب دو اور دوسری کسی بات کا اضافہ نہ کرو ورنہ اس کے سوال کا غیر محتاط جواب تمہیں تشویش میں مبتلا کر سکتا ہے۔ علم سکھانے سے کسی حالت میں اعراض نہ کرنا اگرچہ تم دس سال تک اس طرح رہو کہ تمہارا نہ کوئی ذریعہ معاش ہو، نہ کوئی اکتسابی طاقت، کیونکہ اگر تم علم سے اعراض کرو گے تو تمہاری معیشت (گزر بسر) تنگ ہو جائے گی۔

تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پر ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اولاد بنا لیا ہے تا کہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو۔ اگر کوئی عام شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑانہ کرنا ورنہ تمہاری عزت چلی جائے گی۔ اور اظہار حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ و حشمت کا خیال نہ کرو اگرچہ وہ سلطان وقت ہو۔

جتنی عبادت دوسرے لوگ کرتے ہیں اس سے زیادہ عبادت کرو، ان سے کمتر عبادت کو اپنے لئے پسند نہ کرو بلکہ عبادت میں سبقت اختیار کرو۔ کیونکہ عوام جب کسی عبادت کو بکثرت کر رہے ہوں اور پھر وہ دیکھیں کہ تمہاری توجہ اس عبادت پر نہیں ہے تو وہ تمہارے متعلق عبادت میں کم رغبت ہونے کا گمان کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ تمہارے علم نے تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچایا سوائے اسی نفع کے جو ان کو انکی جہالت نے بخشا ہے جس میں وہ مبتلا ہیں۔

معاشرتی آداب:

جب تم کسی ایسے شہر میں قیام کرو جس میں اہل علم بھی ہوں تو وہاں اپنی ذات کے لئے کسی امتیازی حیثیت کو اختیار نہ کرو، بلکہ اس طرح رہو کہ گویا تم بھی ایک عام سے شہری ہو، تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ تمہیں ان کی جاہ و منزلت سے کوئی سروکار نہیں ہے ورنہ اگر انہوں نے تم سے اپنی عزت کو خطرے میں محسوس کیا تو وہ سب تمہارے خلاف کام کریں گے اور تمہارے مسلک پر کچڑا چھالیں گے اور (ان کی شہ پر) عوام بھی تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور تمہیں بڑی نظر سے دیکھیں گے جس کی وجہ سے تم ان کی نظروں میں کسی قصور کے بغیر مجرم بن جاؤ گے۔

اگر وہ تم سے مسائل دریافت کریں تو ان سے مناظرہ یا جلسہ گاہوں میں بحث و تکرار سے باز رہو اور جوابات ان سے کرو، واضح دلیل کے ساتھ کرو۔ اور ان کے اساتذہ کو طعن نہ دو، ورنہ تمہارے اندر بھی کیزرے نکالیں گے۔ تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے ہوشیار رہو اور اپنے باطنی احوال کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا خالص بنا لو جیسا کہ تمہارے ظاہری احوال ہیں۔ اور علم کا معاملہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا تا وقتیکہ تم اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے مطابق نہ بنالو۔

آداب زندگی:

جب سلطان وقت تمہیں کوئی ایسا منصب دینا چاہے جو تمہارے لیے مناسب نہیں ہے تو اسے اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک کہ تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے جو منصب تمہیں سونپا ہے وہ محض تمہارے علم کی وجہ سے سونپا ہے۔ اور مجلس فکر و نظر میں ڈرتے ہوئے کلام مت کرو کیونکہ یہ خوفزدگی کلام میں اثر انداز ہوگی اور زبان کو ناکارہ بنا دے گی۔

زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بناتا ہے۔ چلنے کے دوران سکون و اطمینان سے چلو اور امور زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بنو اور جو تمہیں پیچھے سے آواز دے اس کی آواز کا جواب مت دو کہ پیچھے سے آواز چوپایوں کو دی جاتی ہے۔ اور گفتگو کے وقت نہ چیخو اور نہ ہی اپنی آواز کو زیادہ بلند کرو۔ سکون اور قلتِ حرکت کو اپنی عادات میں شامل کرو تا کہ لوگوں کو تمہاری ثابت قدمی کا یقین ہو جائے۔

لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کر لیں۔ اور اپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کر لو جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور صبر و استقامت کی دولت جو رب کریم نے تم کو بخشی ہے اور دیگر جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان پر اس کا شکر ادا کرو اور اپنے لئے ہر ماہ کے چند ایام روزہ کے لئے مقرر کر لو تا کہ دوسرے لوگ اس میں بھی تمہاری پیروی کریں۔

اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھو اور دوسروں کے رویہ پر بھی نظر رکھو تا کہ تم اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا اور آخرت میں نفع اٹھاؤ۔ تمہیں چاہیے کہ بذاتِ خود خرید و فروخت مت کرو بلکہ اس کے لئے ایک ایسا خدمت گار رکھو جو تمہاری ایسی حاجتوں کو بحسن و خوبی پورا کرے اور تم اس پر اپنے دنیاوی معاملات میں اعتماد کرو۔ اپنے دنیاوی معاملات اور خود کو درپیش صورت حال کے بارے میں بے فکر مت رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کرے گا۔

سلطانِ وقت سے اپنے خصوصی تعلق کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ تمہیں اس کا قرب حاصل ہو ورنہ لوگ تمہارے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اگر تم نے لوگوں کی حاجتوں کو اس کے دربار میں پیش کرنا شروع کر دیا تو وہ تمہیں تمہارے مقام سے گرا دے گا اور اگر تم نے ان کی حاجتوں کی تکمیل کے لیے کوشش نہ کی تو حاجت مند تمہیں الزام دیں گے۔

آداب و عظ و نصیحت:

غلط باتوں میں لوگوں کی پیروی نہ کرو بلکہ صحیح باتوں میں ان کی پیروی کرو۔ جب تم کسی شخص میں بُرائی دیکھو تو اس شخص کا تذکرہ اس بُرائی کے ساتھ نہ کرو بلکہ اس سے بھلائی کی امید رکھو۔ اور جب وہ بھلائی کرے تو اس کی اس بھلائی کا ذکر کرو۔ البتہ اگر تمہیں اس کے دین میں خرابی معلوم ہو تو لوگوں کو اس سے ضرور آگاہ کر دو تا کہ لوگ اس کی اتباع نہ کریں اور اس سے دور رہیں۔ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ فاسق و فاجر آدمی جس بُرائی میں مبتلا ہے اسے بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچیں اگرچہ وہ شخص صاحبِ جاہ و منزلت ہو۔

اس طرح جس شخص کے دین میں تم خلل دیکھو اسے بھی بیان کرو، اور اس کے عزت و مرتبہ کی پرواہ نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور اپنے دین کا معین اور مددگار ہے۔ اگر تم ایک مرتبہ ایسا کر دو گے تو وہ لوگ تم سے ڈریں گے اور کوئی شخص دین میں نئے گمراہ کن افکار و اعمال کے اظہار کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

جب تم سلطانِ وقت سے خلافِ دین کوئی بات دیکھو تو اس کو اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے آگاہ کر دو۔ یہ اظہار وفاداری اس وجہ سے ہے کہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ تم اس طرح اظہار خیال کرو کہ جہاں تک آپ کے اقتدار اور غلبہ کا تعلق ہے میں آپ کا فرماں بردار ہوں بجز اس کے کہ میں آپ کی فلاں عادت کے سلسلہ میں جو دین کے مطابق نہیں ہے آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔ اگر تم نے ایک بار سلطان و حاکم کے ساتھ اس جرأت سے کام لیا تو وہ تمہارے لئے کافی ہوگی، اس لئے کہ تم اگر اس سے بار بار کہو گے تو وہ شاید تم پر سختی کرے اور اس میں دین کی ذلت ہوگی۔

اگر وہ ایک بار یا دو بار سختی سے پیش آئے اور تمہاری دینی جدوجہد کا اور امر بالمعروف میں تمہاری رغبت کا اندازہ کرے اور اس وجہ سے وہ دوسری مرتبہ خلافِ دین حرکت کرے تو اس سے اس کے گھر پر تنہائی میں ملاقات کرو اور دین کی رُو سے نصیحت کا فریضہ ادا کرو۔ اگر حاکم وقت مبتدع ہے تو اس سے دو بدو بحث کرو اگرچہ وہ سلطان ہے اور اس سلسلہ میں کتاب و سنتِ رسول ﷺ میں سے جو تمہیں یاد ہو اسے یاد دلاؤ۔ اگر وہ ان باتوں کو قبول کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس سے تمہاری حفاظت فرمائے۔

تم موت کو یاد رکھو اور اپنے ان اساتذہ کے لئے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، استغفار کیا کرو اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔ قبرستان، مشائخ



اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کیا کرو اور عام مسلمانوں کے ان خوابوں کو جو نبی کریم ﷺ اور صالحین سے متعلق تمہیں سنائے جائیں، خواہ مسجد ہو یا قبرستان یعنی ہر جگہ توجہ سے سنو اور نفس پرستوں میں سے کسی کے پاس نہ بیٹھو۔ سوائے اسکے کہ کسی کو دین کی طرف بلانا ہو۔ کھیل کود اور گالم گلوچ سے اجتناب کرو اور جب مؤذن اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرو تا کہ عام لوگ اس بات میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔

سلطان وقت کے قرب جوار میں رہائش اختیار نہ کرو۔ اگر اپنے ہمسائے میں کوئی بڑی بات دیکھو تو پوشیدہ رکھو کہ یہ بھی امانت داری ہے اور لوگوں کے عہد ظاہر نہ کرو اور جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس کو اپنے علم کے مطابق صحیح مشورہ دو کہ یہ بات تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے اور میری اس وصیت کو اچھی طرح یاد رکھنا کہ یہ وصیت تمہیں انشاء اللہ، دنیا اور آخرت میں نفع دے گی۔

اخلاقِ حسنہ:

بخل سے اجتناب کرو کہ اس کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ لالچی اور دروغ گو نہ بنو۔ حق و باطل (یا مذاق و بنجیدگی) کو آپس میں خلط ملط نہ کیا کرو بلکہ تمام امور میں اپنی غیرت و حمیت کی حفاظت کرو۔ اور ہر حال میں سفید لباس زیب تن کرو۔ اپنی طرف سے حرص سے دوری اور دنیا سے بے رغبتی ظاہر کرتے ہوئے دل کا غنی ہونا ظاہر کرو۔ اور اپنے آپ کو مال دار ظاہر کرو اور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ فی الواقع تم تنگ دست ہو۔

باہمت، ہنوار جس شخص کی ہمت کم ہوگی اس کا درجہ بھی کم ہوگا اور راہ چلتے دائیں بائیں توجہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ زمین کی جانب نظر رکھو اور جب تم حمام میں داخل ہو تو حمام اور نشست گاہ کی اجرت دوسرے لوگوں سے زیادہ دو تا کہ ان پر تمہاری اعلیٰ ہمتی ظاہر ہو اور وہ تمہیں با عظمت انسان خیال کریں۔ اور اپنا سامان تجارت کاریگروں کے پاس جا کر خود ان کے حوالے نہ کیا کرو بلکہ اسکے لیے ایک با اعتماد ملازم رکھو جو یہ امور انجام دیا کرے اور درہم و دینار کی خرید و فروخت میں ذہانت سے کام لو یعنی لین دین میں چوکس رہو اور اپنے حق کے لئے کوشش کرو۔

نیز درہموں کا وزن خود نہ کیا کرو بلکہ اس معاملہ میں بھی کسی با اعتماد شخص سے کام لو۔ اور متاع دنیا جس کی اہل علم کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے، اسے حقیر جانو کہ اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ دنیا سے بہتر ہیں۔ غرضیکہ اپنے دنیاوی معاملات کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دو تا کہ تمہاری توجہ علم دین پر پوری طرح مرکوز رہے۔ یہ طرز عمل تمہاری ضروریات کی تکمیل کا زیادہ محافظ ہے۔

پاگلوں سے اور ان اہل علم سے جو جھٹ اور مناظرہ کے اسلوب سے بے بہرہ ہیں کلام نہ کرو۔ اور وہ لوگ جو جاہ پرست ہیں اور لوگوں کے معاملات میں عجیب و غریب مسائل کا ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ تمہیں کسی طرح نچا دکھانے کے خواہش مند ہوں گے اور اپنی انا کے مقابلہ میں وہ تمہاری کوئی پرواہ نہیں کریں گے اگرچہ وہ سمجھ لیں گے کہ تم حق پر ہو۔

اور جب بھی کسی بڑے رتبہ والے کے پاس جاؤ تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا جب تک کہ وہ خود تمہیں بلند جگہ نہ عطا کر دیں تا کہ ان کی طرف سے تم کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ کسی قوم میں نماز کی امامت کے لئے پیش قدمی نہ کرو جب تک کہ وہ خود تمہیں ازراہ تعظیم مقدم نہ کریں۔ اور حمام میں دوپہر یا صبح کے وقت داخل نہ ہو اور سیرگاہوں میں بھی نہ جایا کرو (کہ وہ عوام کی جگہیں ہیں)۔

آدابِ مجلس:

سلاطین کے مظالم کے وقت وہاں حاضر نہ رہا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں یقین ہو کہ اگر تم ان کو ٹوکو گے تو وہ انصاف کریں گے۔ بصورت دیگر وہ تمہاری موجودگی میں کوئی ناجائز کام کریں گے اور بسا اوقات انہیں ٹوکنے کی تمہیں قدرت و ہمت نہ ہوگی تو لوگ تمہاری خاموشی کی بناء پر گمان کریں گے کہ سلاطین کا وہ ناجائز کام برحق ہے۔

علمی مجلس میں غصہ سے اجتناب کرو۔ اور عام لوگوں کو قصہ کہانیاں سنانے کا مشغلہ اختیار نہ کرو کہ قصہ گو کو جھوٹ بولے بغیر چارہ نہیں۔ جب تم کسی اہل علم کے ساتھ علمی نشست کا ارادہ کرو اور وہ فقہی مجلس ہے تو اس میں بیٹھو اور وہاں ان باتوں کو بیان کرو جو مخاطب کے لئے تعلیم کا حکم رکھتی ہوں تا کہ

تمھاری حاضری سے لوگوں کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ تمھارا ہم نشیں کوئی عالم ہے جب کہ وہ درحقیقت عالم نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص فتویٰ سمجھنے کا اہل ہے تو فتویٰ بیان کرو ورنہ ضرورت نہیں ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کہیں نہ بیٹھو کہ کوئی دوسرا شخص تمھاری موجودگی میں درس دیا کرے بلکہ اس کے پاس اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بٹھا دو تاکہ وہ تمھیں اس کی گفتگو کی کیفیت اور اس کے علم کے بارے میں بتادے۔

ذکر کی مجالس میں یا اس شخص کی مجلس وعظ میں حاضری نہ دو جو تمھاری جاہ و منزلت یا تمھاری جانب سے اپنے تزکیہ نفس کی نسبت سے مجلس قائم کرے بلکہ ان کی جانب اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شخص کی معیت میں اپنے اہل محلہ اور اپنے عوام کو جن پر تمھیں اعتماد ہے متوجہ کرو (کہ وہ وہاں جایا کریں)۔ اور نکاح خوانی کا کام کسی خطیب کے حوالے کر دو اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین کی امامت بھی کسی اور شخص کے حوالے کر دو۔

(آخری بات یہ کہ) ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کرنا اور ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ یہ تمھارے اور دوسرے مسلمانوں کے فائدے کے لئے ہیں۔

## 2۔ یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ کے نام:

یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر جب علم حاصل کر لیا تو اپنے شہر بصرہ کو واپس ہونے کا ارادہ کیا اور آپ سے اجازت چاہی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تم سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں یہ باتیں تمھیں ہر جگہ کام دیں گی خواہ لوگوں کے ساتھ معاملات ہوں یا اہل علم کے مراتب کا سوال ہو، تادیب نفس کا مرحلہ ہو یا سیاسی امور کا، خواص و عوام کی تربیت کا معاملہ ہو یا عام حالات کی تحقیق مقصود ہو غرض کہ یہ باتیں دینی اور دنیاوی زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں گی اور لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ ہوں گی۔

## تعمیر انسانیت:

اس نکتہ کو خوب سمجھ لو کہ جب تم انسانی معاشرے کو برا سمجھو گے تو لوگ تمھارے دشمن بن جائیں گے چاہے وہ تمھارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں اور جب اس معاشرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو یہ معاشرہ تمھیں عزیز رکھے گا اور اس کے افراد تمھارے ماں باپ بن جائیں گے۔

پھر فرمایا، ذرا اطمینان سے مجھے چند باتیں کہنے دو میں تمھارے لئے ایسے امور کی نشان دہی کئے دیتا ہوں جن کا خود بخود شکریہ کے ساتھ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا، دیکھو گویا میں تمھارے ساتھ ہوں اور تم بصرہ پہنچ گئے ہو اور تم اپنے مخالفوں کی طرف متوجہ ہو گئے اپنے آپ کو ان پر فوقیت دینے لگے۔

تم نے اپنے علم کی وجہ سے خود کو ان پر بڑا ثابت کیا ان کے ساتھ میل جول کو برا سمجھا ان کے معاشرے سے جدا ہوئے اور ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے نتیجہ میں انھوں نے بھی تمھاری مخالفت کی، تم نے انھیں چھوڑ دیا تو انھوں نے بھی تمھیں منہ نہیں لگایا، تم نے انھیں گالی دی ترکی بہ ترکی جواب ملا۔ تم نے انھیں گمراہ کہا تو انھوں نے بھی تمھیں بدعتی اور گمراہ قرار دیا اور یوں سب کا دامن آلودہ ہو گیا۔ اب تمھیں ضرورت ہوئی کہ تم ان سے کہیں دور بھاگ جاؤ اور یہ کھلی حماقت ہے۔ وہ شخص کبھی اچھی سوجھ بوجھ کا نہیں ہو سکتا کہ اسے کسی سے واسطہ پڑے اور وہ کوئی راہ پیدا ہونے تک نباہ نہ کر سکے۔

## معاشرتی حقوق:

جب تم بصرہ پہنچو گے تو لوگ تمھارا خیر مقدم کریں گے، تم سے ملنے کے لئے آئیں گے کیونکہ یہ ان کا معاشرتی فریضہ ہے اب تم ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو بزرگوں کو عزت دو، علماء کی تعظیم کرو، بوڑھوں کی توقیر کرو، نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، عوام کے قریب رہو، نیک و بد کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھو۔ بادشاہ وقت کی توہین نہ کرو، کسی کو کم تر نہ سمجھو، اپنی مرآت اور شرافت کو پس پشت نہ ڈالو۔

اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو، بغیر پرکھے ہوئے کسی پر اعتماد نہ کر بیٹھو، خیس الطبع اور کمینوں سے میل جول نہ رکھو، اس شخص سے محبت کا اظہار نہ کرو جو تمھیں پسند نہ کرتا ہو۔ سنو کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو اور ان کی دعوت قبول نہ کرو اور نہ ہی ان کا ہدیہ قبول کرو۔

نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسن اخلاق، کشادہ دلی اور اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لئے لازم رکھو۔ سواریوں میں ہمیشہ اچھی سواری ہی استعمال کرو۔ حواج ضروریہ کے لئے کوئی وقت مقرر کر لو تاکہ ہر کام آسانی سے کر سکو۔ اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو، ان کی اصلاح کی سب سے پہلے فکر کرو مگر اس



میں نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو، نرم لہجہ میں گفتگو کرو، عتاب و توبخ سے بچو کہ اس سے نصیحت کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔ انھیں اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تمہاری تادیب کریں، ایسا کرنے سے تمہارے حالات درست رہیں گے۔

تعمیر سیرت:

نماز کی پابندی کرو اور سخاوت سے کام لو کیونکہ بخیل آدمی کبھی بھی سردار نہیں بن سکتا۔ اپنا ایک مشیر کار رکھ لو جو تمہیں لوگوں کے حالات سے مطلع کرتا رہے اور جب تمہیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح کرنے میں جلدی کرو اور جب اصلاح پا جائے تو اپنی عنایت اور رغبت کو اور بڑھاؤ۔ جو شخص تم سے ملے تم اس سے ملو اور اس سے بھی ملو جو نہ ملے۔ جو شخص تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو کوئی بد خلقی سے پیش آئے تو تم حسن اخلاق کا ثبوت دو اور غفو و کرم کو مضبوطی سے تھام لو۔ نیک کاموں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو اور جو تم سے بیزار ہو اس سے ترک تعلق کر لو۔ حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو۔

حقوق العباد:

اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو مزاج پر سی کرو اور اگر کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو۔ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو صلہ رحمی سے پیش آؤ۔ جو شخص تمہارے پاس آئے اس کی عزت کرو۔ اگر کسی نے تمہاری برائی کی تو درگزر کرو۔ جو شخص تمہارے بارے میں غلط مشہور کرے تم اس کے بارے میں اچھی بات کہو۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق پورے کرو۔ اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آئے تو اس مبارک دو، اگر کسی پر مصیبت پڑ جائے تو اس کی غمخواری کرو۔

اگر کسی پر آفت ٹوٹ پڑے تو اس کے غم میں شریک ہو اور اگر وہ تم سے کام لینا چاہے تو کام کر دو۔ اگر کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد سن لو، اگر کوئی مدد کا طالب ہو تو اس کی مدد کرو، جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں کی مدد کرو۔ لوگوں سے محبت و شفقت کا اظہار کرو، سلام کو رواج دو خواہ وہ کمینوں کی جماعت ہی کیوں نہ ہو۔

تعلیم و تربیت:

اگر مسجد میں تمہارے پاس کچھ لوگ بیٹھے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں تو ان سے اختلاف رائے نہ کرو۔ اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے وہ بتاؤ جو لوگوں میں رائج ہو پھر بتاؤ کہ دوسرا قول بھی ہے اور وہ ایسے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔ اس طرح ان کے دلوں میں تمہاری قدر و منزلت جاگزیں ہو جائے گی اور جو شخص تمہاری مخالفت کرے تو اسے کوئی ایسی راہ دکھا دو جس پر وہ غور کرے۔ لوگوں کو آسان باتیں بتایا کرو اور مشکل اور گہرے مسائل بیان نہ کیا کرو کہ کہیں وہ غلط مطلب نہ سمجھ لیں۔

لوگوں سے لطف و مہربانی کا سلوک کیا کرو بلکہ کبھی کبھی ان سے مذاق بھی کر لیا کرو کیونکہ تمہارا یہ عمل لوگوں میں تمہاری محبت پیدا کر دے گا۔ ہمیشہ علمی چرچا رکھو اور کبھی کبھی ان کی دعوت کر دیا کرو، ان سے سخاوت سے پیش آؤ، چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے درگزر کر دیا کرو اور ان کی ضروریات کو بھی پورا کیا کرو۔ بہتر یہی ہے کہ لطف و کرم اور چشم پوشی کو اپنا خاصا بنا لو۔

نہ تو کسی سے دل تنگ کرو اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ سے پیش آؤ۔ آپس میں گھل مل کر اس طرح رہو کہ گویا تم ایک ہی ہو۔ لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرو جو تمہیں پسند ہیں۔

تزکیہ نفس:

نفس کی حفاظت اور احوال کی دیکھ بھال کرو اور فتنہ و جھگڑے سے دور رہو۔ اگر کوئی شخص تم سے بری طرح بات کرتا ہے تو اس سے اچھی طرح بات کرو اور اس کو جھڑکو نہیں۔ اگر کوئی تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہو تو تم بھی اس کی طرف کان لگاؤ۔ لوگوں کو ایسی چیزوں کا مکلف نہ بناؤ جس کی وہ تمہیں تکلیف نہیں دیتے۔ اخلاص نیت سے لوگوں کا خیر مقدم کرو اور سچائی کو لازم کر لو۔

غرور و تکبر کو اپنے سے دور رکھو اور دھوکہ بازی سے دور رہو خواہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہوں۔ امانت میں خیانت نہ کرو خواہ لوگ

تمہارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، وفاداری اور تقویٰ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اہل کتاب سے وہی تعلق اور معاملہ رکھو جیسا وہ تمہارے ساتھ رکھتے ہوں۔

پس اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل کیا تو یقیناً ہر آفت سے بچے رہو گے۔ دیکھو اس وقت میں دو کیفیتوں سے دوچار ہوں۔ تم نظر سے دور ہو جاؤ گے اس کا تو غم ہے اور اس پر مسرت ہے کہ تم نیک و بد کو پہچان لو گے۔

خط و کتابت جاری رکھنا اور اپنی ضرورتوں سے مطلع کرتے رہنا۔ تم میری اولاد ہو اور میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں۔  
وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی الہ وصحبہ وسلم۔



## باب ششم (6)

فقہ کی فضیلت، قرآن میں:

عقل و دانش اور فہم و فراست، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ قرآن و حدیث کے دلائل و براہین، احکام و تعلیمات اور اسرار و معارف سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مومن ان نعمتوں سے مالا مال ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔

”پیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے“۔ (الروم: ۲۳، کنز الایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہوا، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔

”پیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے“۔ (الروم: ۲۱، کنز الایمان)

مزید فرمایا گیا، وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔

”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں“۔ (الحشر: ۲۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا، قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ۔

”پیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں سمجھ والوں کے لیے“۔ (الانعام: ۹۹)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کے بحر بیکراں سے تفقہ فی الدین کے انمول موتی حاصل کرنے کے لیے عقل و فہم کا ہونا ضروری ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عقلمند وہ نہیں جو وجود باری تعالیٰ کا منکر ہو یا منکر قرآن و حدیث ہو اور اس پر لغو دلائل قائم کرتا پھرے بلکہ عقل و خرد کا معیار خالق کائنات نے یہ بیان فرمایا،

”تم فرماؤ، کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان؟ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں“۔ (الزمر: ۹، کنز الایمان)

گویا عقل و فہم والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور نصیحتوں کو مانتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ کافر اور منافق،

عقل و فہم اور تفقہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ سے محروم رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا،

فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا یَّکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیثًا۔

”تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے“۔ (النساء: ۷۸)

دوسری جگہ فرمایا، بَٰتِلٌھُمْ قَوْمٌ لَا یَفْقَهُوْنَ۔



”اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔“ (الانفال: ۶۵، کنز الایمان)

مزید ارشاد ہوا، لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ۔ ”کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی۔“ (التوبہ: ۸۱)

ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ تفقہ یعنی دین کی سمجھ سے محروم ہونا عیب اور مذموم ہے اور قرآن میں ایسے لوگوں کو ملامت کی گئی ہے۔ اسکے برخلاف احکام دین کا علم وفہم حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور رب کریم نے اسے نعمت قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوا، وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی دی گئی۔ (البقرہ: ۲۶۸)

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جہاں لفظ حکمت آیا ہے اس سے مراد علم فقہ ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۸۳)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد (شرعی) احکام ہیں۔ (نزہۃ القاری: ۱۸۹)

دین کا علم وفہم اس قدر اہم ہے کہ رب تعالیٰ نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوا،

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ..... واضح۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے،

”اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں سکتا کہ سب کے سب ٹکلیں تو کیوں نہ ہو کہ انکے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ (گناہوں سے) بچیں۔“ (التوبہ: ۱۲۲، کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہر شخص کو عالم وفقیہ بننا ضروری نہیں البتہ جو چیزیں بندے پر فرض و واجب ہیں اور جو اسکے لیے ممنوع و حرام ہیں، انکا سیکھنا فرض عین ہے اور اس سے زائد علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے، علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص پر دین کا تمام علم سیکھنا اور فقہیہ بننا ضروری نہیں لہذا بعض لوگ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ کے تحت دین کا مکمل علم اور تفقہ فی الدین یعنی دین کی گہری سمجھ حاصل کریں اور جو غیر عالم وغیر فقہیہ ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ عالم اور فقہیہ کی تقلید کریں۔ اس آیت کریمہ سے تقلید شرعی کا فرض ہونا بھی ثابت ہوا۔

فقہ کی فضیلت، حدیث میں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔

”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔“ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم)

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اس حدیث میں واضح طور پر علماء کی سب لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔“ (فتح الباری شرح بخاری ج ۱: ۱۳۳)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،

خَيْرُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَيْرُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقَّهُوا۔

”جو دور جاہلیت میں بہتر افراد تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ ان میں دین کی فقہ یعنی دین کی سمجھ ہو۔“ (ایضاً)

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کے بہتر و افضل ہونے کی خوبی فقہ کو قرار دیا ہے۔ اگر کوئی اور خوبی نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس سے بہتر ہوتی تو آپ اس کا ذکر فرماتے۔ لہذا ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک مومن کی بہترین خوبی اس کا فقہ کی صفت سے موصوف ہونا ہے۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے فقہیہ ہونے کی دعا فرمائی۔

۳۔ رسول کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی، اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔ ”اے اللہ! اسے دین کا فقہیہ بنا دے۔“ (بخاری)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ”فَقِيْهِ“ وَاحِدٌ“ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ“۔ ”ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے“۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب العلم)

اس حدیث میں فقیہ کی یہ فضیلت بیان ہوئی کہ وہ ہزار عابد و زاہد لوگوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے کیونکہ وہ دین کے علم اور سمجھ بوجھ کی وجہ سے شیطان کے مکر و فریب کو جانتا ہے اور نہ صرف وہ خود اسکے مکر سے بچ جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی شیطان کے مکر و فریب سے بچانے کا سبب بنتا ہے۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”تَفَقَّهُهُوَ اَقْبَلُ اَنْ تُسَوِّدُوْا“۔ ”سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو“۔ (بخاری کتاب العلم) سردار اور راہنما ہونے کے لیے دین کا عالم و فقیہ ہونا چاہیے تاکہ علم کی روشنی میں لوگوں کی راہنمائی کی جائے۔

۶۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اسکی مثال زوردار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ کچھ زمین عمدہ ہے جس نے پانی جذب کر لیا اور گھاس اور سبزیاں خوب اگائیں اور کچھ زمین سخت ہے جس نے پانی جمع کر لیا اور اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا، لوگوں نے پیا اور پلایا اور کھیتی سیراب کی، اور کچھ زمین ایسی ہے جو چٹیل ہے نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ سبزہ اگایا۔ یہی مثال اسکی ہے، مَنْ فَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ یعنی جس نے اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا اور اللہ نے جو کچھ مجھے دیکر بھیجا ہے اس سے اس کو نفع پہنچایا، اس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی۔ اور یہ مثال ہے اسکی جس نے اللہ کی اس ہدایت کی طرف سر ہی نہ اٹھایا اور نہ ہی اسے قبول کیا۔ (بخاری کتاب العلم)

اس حدیث پاک میں تین قسم کے لوگوں کی مثال تین قسم کی زمین سے دی گئی ہے۔ ایک زمین وہ جو نہ پانی جمع کرے اور نہ سبزہ وغیرہ اگائے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے دین پر توجہ نہیں دی۔ دوسری وہ زمین جو پانی جمع کر لیتی ہے مگر اس سے کچھ اگاتی نہیں البتہ اسکا جمع شدہ پانی دوسرے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مراد محدثین کرام ہیں جو فقیہ نہیں۔ وہ احادیث حفظ کر لیتے ہیں مگر تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے خود احکام و مسائل کا استنباط نہیں کر سکتے۔ ان سے احادیث سن کر فقہاء کرام مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔

تیسری وہ زمین ہے جو پانی اپنے اندر جذب کر کے خزانے اگل دیتی ہے۔ یہ ان فقہائے کرام کی مثال ہے جو احادیث مبارکہ کو اپنے سینوں میں جذب کر کے ان سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل اخذ کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے ہدایت و رہبری کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میرے کلام کو سنکر اچھی طرح یاد کیا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض فقہ سیکھنے والے خود غیر فقیہ ہوتے ہیں اور وہ اسے ان تک پہنچا دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہوتے ہیں“۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

یہ حدیث پاک مختلف الفاظ سے متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ اس حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد، شافعی، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث روایت کرنے کا اصل مقصد ان سے فقہ حاصل کرنا ہے اس لیے وہ محدثین کرام جو فقیہ نہیں انکے ذمہ احادیث کا بیان کرنا اس لیے بھی زیادہ اہم ہے تاکہ وہ احادیث جن میں فقہ ہے ان حضرات تک پہنچ جائیں جو محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی۔

فقہاء کی فضیلت:

علم الحدیث میں دو چیزیں بنیادی اہمیت کی ہیں۔

اول: حدیث کی سند و روایت، اور دوم: حدیث کے معنی و روایت۔

حدیث کی سند و روایت کی حفاظت اس امت کے محدثین کرام نے کی ہے جبکہ حدیث کے معنی و روایت کا فریضہ امت کے جید فقہائے عظام نے انجام دیا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فقہاء کرام کو علم الحدیث پر کامل دسترس ہوتی ہے۔ اگر فقہاء کرام کا عام غیر فقیہ محدثین سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محدثین مواعظ، قصص، فضائل اور ہر قسم کی روایات کا احاطہ کرتے ہیں جبکہ فقہاء کرام زیادہ تر ان احادیث سے غرض رکھتے ہیں



جن سے کوئی نہ کوئی شرعی حکم مستطبت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کی نسبت فقہاء کرام کی روایات کی تعداد بہت قلیل دکھائی دیتی ہے۔ خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ محدثین کرام کی ایک جماعت تشریف فرما تھی کہ مردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے سوال کیا، ”حیض والی عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟“ امام یحییٰ بن معین، ابو حنیفہ، زہیر بن حرب، خلف بن سالم وغیرہ دیگر جید محدثین کرام (رحمہم اللہ) ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور کسی کو اس کے سوال کا جواب نہ آیا۔ اس دوران امام ابو ثور رحمہ اللہ جو محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد اور فقیہ بھی تھے، وہاں تشریف لے آئے۔

اس عورت نے اپنا مسئلہ ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، ہاں حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے۔ کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں حضور ﷺ کے سر مبارک پر پانی ڈال کر مانگ نکالتی تھیں۔ جب اس مخصوص حالت میں زندہ شخص کے سر پر پانی ڈالا جاسکتا ہے تو مردے کو غسل کیوں نہیں دیا جاسکتا؟

امام ابو ثور رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ جب محدثین کرام نے سنا تو اس حدیث کی اسناد پر گفتگو شروع کر دی کہ یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے اور یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے۔ اس سائلہ عورت نے ان محدثین کرام سے مخاطب ہو کر کہا، آپ لوگ اب تک کہاں تھے؟ (تاریخ بغداد ج ۶: ۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ محض حدیث کی اسناد اور طرق جمع کر لینے سے مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل حل نہیں ہو سکتے ورنہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر محدث اس حدیث کو حفظ کر لینے کے باوجود لا جواب نہ ہو جاتے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کرام بھی احادیث سے مسائل اخذ کرنے میں فقہاء کرام کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ”اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔“ (جامع ترمذی ج ۱: ۱۱۸)

اسی طرح ایک بار کسی شخص نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا، کسی اور سے پوچھ لو، اس نے عرض کی، آپ ہی اس کا جواب ارشاد فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے کسی اور سے پوچھ لو، فقہاء سے پوچھو، امام ابو ثور رحمہ اللہ سے پوچھ لو۔“ (تاریخ بغداد، ج ۶: ۶۶)

امام احمد بن حنبل ائمہ اربعہ میں سے نامور امام ہیں۔ محدث بھی ہیں، مجتہد بھی۔ مگر ایک پیچیدہ مسئلہ کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ ”اسے فقہاء سے پوچھ لو۔“ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکا اجتہاد بہت قلیل درجہ میں ہے۔ ”جس قدر حدیث و روایت میں انکا زیادہ اعتبار ہے اس قدر استنباط اور اجتہاد میں انکی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں انکا شمار نہیں کیا۔ قاضی ابن عبدالبر مالکی نے کتاب ”الاستقاء فی فضائل الشیخ الفقہاء“ میں جو مجتہدین کے حالات میں لکھی، اس میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی پر اکتفا کیا (رضی اللہ عنہم)۔“ (سیرۃ العمان: ۱۵۴) ابو بکر بن عبدان رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، درایت اور حفظ میں کیا فرق ہے؟ آپ نے فرمایا، الدراية فوق الحفظ۔ ”درایت حفظ سے اوپر ہے“ یعنی حدیث کی سمجھ بوجھ اسے یاد کرنے سے اعلیٰ ہے۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۳: ۲۳۳)

معروف محدث امام اعمش رحمہ اللہ ایک دن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مختلف سوالات کرتے جاتے تھے اور آپ ان سوالات کے جوابات دیتے جاتے۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے تعجب سے پوچھا، آپ کو اس قدر علوم کہاں سے حاصل ہوئے؟ آپ نے فرمایا، انہی احادیث سے جو آپ نے روایت کی ہیں، پھر آپ نے ان کی روایت کردہ احادیث سنا دیں۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے بر ملا فرمایا، اے فقہاء! تم طیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ (مناقب للموفق: ۱۶۳)

یعنی جس طرح کیمسٹ یعنی عطار اور پنساری طرح طرح کی دوائیں اور مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں اپنی دوکان میں رکھتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کس بیماری کا علاج ہیں؟ انکے خواص کیا ہیں؟ خوراک کی مقدار کیا ہے؟ وغیرہ۔ یہ سب باتیں تو ڈاکٹر اور حکیم ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح محدثین کرام سینکڑوں ہزاروں حدیثیں جمع کرتے ہیں مگر ان سے مسائل اخذ کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ جبکہ فقہاء کرام کو حدیثوں کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”جان لو کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو فقہاء ہوں۔ یہ باریکیاں اور پیچیدگیاں کبھی تو انکی روایت و نقل میں ہوتی ہیں اور کبھی انکے معانی کے کشف میں۔“ (دفع شبه التشبیہ: ۲۶)

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فقہاء کی اہمیت و فضیلت کو یوں بیان فرمایا، ”حلال و حرام کا علم اور انکے مسائل تو فقہاء کرام سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔“ (فتح الباری جلد ۹: ۳۱ طبع مصر)

رائے اور قیاس:

سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی سمجھ لیجیے۔ رائے کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ اسکا اصطلاحی مفہوم علامہ ابن اثیر الجزری شافعی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔ ”محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب رائے کہتے ہیں اسکا معنی یہ ہے کہ وہ مشکل احادیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مواقع پر وہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔“ (نہایہ ج ۲: ۹۷ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام ان اصحاب کو اہل رائے کہتے ہیں جو اپنے دل کی بصیرت اور عقل و فہم سے مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو حل کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دل کی بصیرت اور رائے کے بغیر بھی احادیث کا صحیح فہم ممکن ہے؟ یقیناً نہیں۔ امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”محققین نے فرمایا ہے کہ رائے کا استعمال کیے بغیر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ رائے (عقل و فہم) ہی سے حدیث کے معانی سمجھ میں آتے ہیں جس پر احکام کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض محدثین جب رضاعت کی تحریم کی علت کا ادراک نہ کر سکے تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اگر دو بچے (رضاعت کے ایام میں) ایک بکری کا دودھ پی لیں تو ان میں حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (ان محدثین میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسم گرامی سر فہرست ہے)۔ اسی طرح محض رائے پر بھی عمل نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ کچھ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیے خواہ بھول کر ہی ہو۔ اسی طرح جان بوجھ کر قے کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ روزہ معدے میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹنا چاہیے لیکن کسی شے کے باہر آنے سے نہیں ٹوٹنا چاہیے۔“ (الخصایات الحسان: ۲۶۳)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو احادیث سے بے نیاز ہو کر محض رائے اور قیاس پر عمل کرنا درست ہے اور نہ ہی رائے اور فہم کے بغیر احادیث کا صحیح مدعا سمجھ جاسکتا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اصحاب الرائے کی جو تعریف بیان کی اسکا دوسرا حصہ یہ ہے کہ ”وہ ایسے مواقع پر اجتہاد سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث نہیں ہوتی۔“ اجتہاد اور قیاس کی تعلیم تو خود آقا و مولیٰ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دی اور صحابہ کرام اس پر عمل پیرا رہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا، اے معاذ! اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کی، ”اجتہد بروای“ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ ارشاد فرمایا، ”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔“

(ترمذی ج ۱: ۱۵۹، ابوداؤد ج ۲: ۱۳۹)

شیخ الاسلام علامہ ابن عبدالبر المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ اسکو عادل ائمہ نے روایت کیا اور یہ اجتہاد اور قیاس علی الاصول کی اصل ہے۔“ (جامع بیان العلم و فضلہ ج ۲: ۷۷ طبع مصر)

2۔ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض گزار ہوئی، یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ بوڑھا ہے اور اس پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ حج کی ادائیگی پر قادر نہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اسکو ادا کر دے تو کیا تیری ادائیگی کافی ہوگی؟ اس نے عرض کی، ہاں۔ فرمایا، پھر اللہ کا قرض (یعنی والد کی طرف سے حج) بھی ادا ہو جائے گا۔ (نسائی جلد



اس حدیث پاک میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے حج کو مالی حقوق پر قیاس کیا ہے۔

3۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت سے مسائل بیان فرمائے اور پھر فرمایا، اگر تم میں سے کسی شخص کو کسی مسئلہ میں فیصلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن میں نہ ملے تو سنت نبوی ﷺ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن و سنت دونوں میں نہ ملے تو نیک لوگوں یعنی صحابہ کرام کے فیصلے کے موافق فیصلہ کرے اور اگر وہ امر قرآن میں ملے نہ سنت نبوی ﷺ میں اور نہ صالحین کے فیصلوں میں، تو وہ شخص اپنی عقل سے کام لے اور ”فَلْيَنْتَهِذْ رَأْيَهُ“ یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن نسائی جلد دوم کتاب ادب القضاۃ، باب الحکم باتفاق اہل العلم)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن و سنت اور آثار صحابہ میں نہ ملے تو قیاس کرنا درست ہے۔

4۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اگر قرآن اور سنت رسول ﷺ میں ان کو اس مسئلہ کی وضاحت نہ ملتی تو آپ ارشاد فرماتے،

”میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ میری خطا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔“ (طبقات ابن سعد ج ۳: ۱۳۶)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ برگزیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے اور جب وہ حضرات ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔

(مسند دارمی ج ۱: ۵۸، طبع دمشق)

5۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ایسا ہی معمول تھا۔ آپ جب لوگوں کو فتویٰ دیتے تو ارشاد فرماتے، ”یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ میری خطا ہے۔“ (کتاب المیزان للشعرانی ج ۱: ۴۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۶)

6۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

(شرح فقہ اکبر لملا علی قاری: ۹، طبع کانپور)

7۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا اور انہوں نے اس کی تعلیم دی۔ (سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۵)

8۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ کتاب و سنت کے بعد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں سے راہنمائی لیتے اور اگر کوئی دلیل نہ ملتی تو پھر اپنی رائے سے فتویٰ دیتے۔ (مسند دارمی ج ۱: ۵۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۵)

ان دلائل و براہین سے یہ ثابت ہو گیا کہ :-

☆ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو قیاس و اجتہاد کی تعلیم دی،

☆ اصول دین چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس،

☆ قرآن و سنت اور اجماع کے بعد صحابہ کرام قیاس و اجتہاد کو اختیار کرتے تھے۔

فقہاء صحابہ کرام:

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے تمام صحابہ کرام اپنے آقا کریم ﷺ کی نگاہِ کرم اور صحبتِ بابرکت کے فیض سے متقی، عادل، ثقہ اور صادق تھے۔ البتہ فہم قرآن و حدیث اور تفقہ فی الدین کے لحاظ سے ان کے مختلف درجات و مراتب تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت

معاذ بن جبل، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کو مختلف قبائل کی طرف دین کی تعلیمات سکھانے کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کے علاوہ

خلافت راشدہ کے دور میں بھی کئی صحابہ کرام دین سکھانے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجے گئے۔

”صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک وہاں کا پیشوا بن گیا۔ مسائل پیش آنے پر لوگوں نے فتوے پوچھنا شروع کیے تو ہر صحابی نے اپنے حافظہ یا استنباط سے مسائل کا جواب دیا یا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا۔“ (حجۃ اللہ البالغہ)

عصر حاضر کے معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”ایسی متعدد مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ گورنر اور قاضی، جو دور دراز علاقوں میں تھے یا تو خود لکھ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے تھے کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے اور ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ان گورنروں اور قاضیوں نے اپنی صوابدید اور اپنے فہم کے مطابق فیصلہ کر ڈالا۔“ (خطبات بہاولپور: ۸۱)

دینی مسائل کی ترویج و اشاعت اور فتاویٰ دینے کے لحاظ سے صحابہ کرام کا ایک طبقہ بہت نمایاں ہے جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

انکے بعد صحابہ کرام کا دوسرا طبقہ ہے جن حضرات نے کثیر فتاویٰ دیے لیکن اول الذکر کی بہ نسبت یہ تعداد کم رہی۔ ان صاحب علم و فضل، نفوس قدسیہ کی تعداد بیس شمار کی گئی ہے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت ام سلمہ، معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، عبدالرحمن بن عوف، امیر معاویہ، عبادہ بن صامت، عمران بن حصین اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

صحابہ کرام براہ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحب علم صحابی کی تقلید کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے، ”جب تک یہ عالم تمھارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔“ (صحیح بخاری) اسی کا نام شخصی تقلید ہے جو دور صحابہ میں بھی موجود تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترجیح دی۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ دور صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ انکی تقلید بھی کرتے تھے۔

جید فقہاء صحابہ کرام کے بارے میں جلیل القدر تابعی امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سٹ کر ان چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتساب فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے علم پر ختم ہو گیا۔“ (طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۳)

ابن قیم کہتے ہیں، ”اہل مدینہ میں دین اور فقہ کا علم زید بن ثابت اور ابن عمر کے اصحاب کے ذریعے، اہل مکہ میں ابن عباس کے اصحاب کے ذریعے اور اہل عراق میں ابن مسعود کے اصحاب کے ذریعے پھیلا ہے (رضی اللہ عنہم)۔“ (اعلام الموقعین ج ۱: ۸)

امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۲۹۹)

آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے، ”میں کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے سوا کسی کو فقیہ نہیں جانتا۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۷۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد جب کوفہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد فقہ کا درس دے رہے ہیں اور چار سو کے قریب دو اتم رکھی ہیں جن سے طلبہ انکا درس لکھ رہے ہیں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا، ”اللہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے، وہ ان لوگوں کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑ گئے ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۳۸۵)



ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ کرام زیادہ فقیہ اور کثیر الفتاویٰ تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ نیز آپ ہی نے فقہ کی درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ جاری کیا اس لیے انکی اور انکے اصحاب کی فقہ دیگر تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم ہے۔

☆☆☆☆

## باب ہفتم (7)

امام اعظم اور علم الحدیث:

بعض نام نہاد اہلحدیث سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ”آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں“۔ اس اعتراض کی اصل وجہ بھی آپ سے حسد و بغض ہے۔ علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

”کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو فقہ کے علاوہ دیگر علوم پر دسترس حاصل نہ تھی۔ حاشا للہ، آپ علوم شرعیہ، تفسیر، حدیث اور علوم ادب و حکمت میں بحر ناپیدا کنار تھے اور ان میں سے ہر فن کے امام تھے۔ بعض دشمنوں کا اسکے خلاف کہنا محض ان سے حسد کی وجہ سے ہے۔“ (الخیرات الحسان: ۸۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۵ھ) امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج کرنے کا شرف سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کتب صحاح کے اسانید میں بھی اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر آپ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا اور آپ سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔ آپ نے امام اعظم رحمہ اللہ کی خدمت سے دس سال استفادہ کیا۔ (مناقب للموفق: ۲۱۷)

امام ابو عبد الرحمن المقرئ رحمہ اللہ (۲۱۳ھ) نے امام اعظم رحمہ اللہ سے نو سو (۹۰۰) حدیثیں سماعت کیں۔ (مناقب کردری ج ۲: ۲۱۶)

انکے شاگرد بشر بن موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ ”جب آپ ہم سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے، حدثنا شاہنشاہ۔ ہم سے شاہنشاہ نے حدیث بیان کی ہے۔“ (تاریخ بغداد ج ۱۳: ۳۳۵)

غور فرمائیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ دس سال امام اعظم رضی اللہ عنہ سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کریں اور محدث کامل امام ابو عبد الرحمن رحمہ اللہ نو سو (۹۰۰) حدیثیں سن کر آپکی عظمت کا اقرار یوں کریں کہ آپکو ”حدیث کا شاہنشاہ“ کہیں تو پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حافظ الحدیث ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ائمہ تابعین وغیرہ چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا ہے اس لیے امام ذہبی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے آپکا شمار حفاظ محدثین کے طبقے میں کیا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ آپ نے حدیث کو کم اہمیت دی، یہ اُس کی غفلت ہے یا پھر حسد ہے، یہ بات اس شخص کے متعلق کیونکر صحیح ہو سکتی ہے جس نے حدیث سے بے شمار مسائل اخذ کیے ہوں حالانکہ دلائل شرعیہ سے مخصوص طریقہ کے مطابق استنباط کرنے والے آپ پہلے شخص ہیں جسکا ذکر آپکے اصحاب کی کتب میں ہے۔ چونکہ آپ (فقہ کے) اس اہم کام میں مشغول رہے اس لیے آپ کی حدیثیں لوگوں میں پھیل نہ سکیں جس طرح حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جب مسلمانوں کی ضروریات میں مشغول ہوئے تو ان سے روایت حدیث ظاہر نہ ہوئی جیسا کہ ان کے سوا دوسرے کم عمر صحابہ سے ظاہر ہوئی۔

اس طرح امام مالک اور امام شافعی سے بھی فقہ میں مشغولیت کے باعث اس قدر احادیث ظاہر نہیں ہوئیں جیسا کہ ان حضرات سے مثلاً ابو زرہ اور ابن معین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ظاہر ہوئیں جو کہ محض روایت حدیث کی طرف متوجہ رہے۔ علاوہ ازیں کثرت روایات بغیر درایت کے کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے تو اسکی مذمت میں ایک مستقل باب لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ فقہاء و علماء کا مذہب یہ ہے کہ ”بغیر تفقہ و تدبر کے کثرت سے

روایت کرنا اچھا نہیں اور ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”کم روایت بھی تھقہ ہے“۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ”قابل اعتماد چیز حدیث و اثر ہے اور صرف وہ رائے قبول کرو جو حدیث کی تفسیر کرے“۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۰)

حافظ الحدیث، اسرائیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے بزرگ تھے۔ انہیں ہر ایسی حدیث جس سے کوئی فقہی مسئلہ اخذ ہو سکتا تھا بہت اچھی طرح یاد تھی۔ وہ ایسی حدیثوں کو بہت تلاش کرتے تھے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ (تمییز الصحیفہ: ۲۷) صحاح ستہ کے اہم راوی حافظ الحدیث امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا لیکن وہ ہم پر غالب رہے“۔ (مناقب للذہبی: ۲۷ طبع مصر)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمن وغیرہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے اور مشکل مسائل دریافت کرتے تھے۔ کئی بار وہ ان احادیث کے بارے میں سوال کرتے جسکے متعلق انہیں کوئی مشکل پیش آتی تھی۔ (مناقب للموفق: ۳۹۶)

مقام غور ہے کہ اگر بالفرض سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد ہوتیں تو ایسے بڑے بڑے محدثین آپ کے پاس کیوں حاضری دیتے؟ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”آپ سے جن محدثین نے کثیر روایات حاصل کی ہیں انکو شمار نہیں کیا جاسکتا“۔ (مناقب للذہبی: ۱۲)

علامہ یوسف بن صالح شامی رحمہ اللہ نے آپ سے روایات اخذ کرنے والے نو سو چوبیس (۹۲۴) محدثین کے نام تحریر کیے ہیں۔ (عقود الجمان باب ۴، ۵) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے آپ کے ۹۵ تلامذہ کے اسمائے گرامی تحریر کیے ہیں۔ (تمییز الصحیفہ: ۱۳)

نامور محدث علی بن خشرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”ہم امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا، اے اصحاب حدیث! تم حدیث میں تھقہ پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحاب الرائے تم پر غالب آجائیں۔ یہ خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی نہیں کہی ہے جس پر ہم ایک یا دو حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں“۔ (معرفت علوم الحدیث: ۶۹ طبع قاہرہ)

اس ارشاد سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اصحاب الرائے تھقہ فی الحدیث کے حوالے سے نمایاں مقام کے حامل رہے ہیں اسی لیے امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے انہیں حدیث کا فہم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو کچھ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اس کے بارے میں ایک یا دو حدیثیں ضرور موجود ہیں۔ یعنی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اجتہاد و قیاس احادیث کے عین مطابق ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ جنہیں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ”صاحب حدیث“ اور امام ذہبی رحمہ اللہ ”حافظ الحدیث“ کہتے تھے وہ فرماتے ہیں، میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر جاننے والا اور اسکے فقہی نکات پہچاننے والا نہیں دیکھا۔ اور میں نے جب کبھی کسی بات میں انکی مخالفت کی اور پھر اس پر غور کیا تو انہی کے مذہب کو آخرت کے لحاظ سے زیادہ موجب نجات پایا اور بسا اوقات میں حدیث کی طرف مائل ہوتا تو وہ مجھ سے زیادہ صحیح حدیث کو جاننے والے ہوتے۔

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی قول پر جم جاتے تو میں آپ کے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر معلوم کرنے کے لیے کوفہ کے مشائخ کے پاس جاتا۔ بسا اوقات دو دو یا تین تین حدیثیں لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتا تو ان میں سے کسی کے بارے میں فرمادیتے کہ یہ صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں دریافت کرتا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا حالانکہ یہ تو آپ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ ارشاد فرماتے، ”میں اہل کوفہ کے تمام علم کا عالم ہوں“۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۲، فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۱)

آپ نے صرف کوفہ ہی کے مشائخ سے علم حاصل نہ کیا بلکہ آپ مکہ، مدینہ اور بصرہ بھی حصول علم کے لیے کئی بار گئے۔ آپ کے بعض اساتذہ کرام کا ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سینہ اقدس میں احادیث کا کتنا بڑا خزانہ تھا اسکا اندازہ محدث علی قاری رحمہ اللہ کے اس قول سے کیجیے، وہ امام محمد بن ساعدہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے“۔ (مناقب بذیل الجواہر ج ۲: ۴۷۴)

صدرالائمہ امام موفق بن احمد کی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔ جن کی صحت



کی آپ کو پوری تحقیق تھی۔ (مناقب للموفق: ۱۰۴)

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ اگر ایک حدیث کا متن سو مختلف طریقوں اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں یہ سو حدیثیں ہوں گی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں محدث کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور فلاں محدث کو دو لاکھ، اس کا یہی مطلب ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کی اسناد میں راویوں کا اضافہ ہوا اور ایک ایک حدیث کو بکثرت راویوں نے روایت کرنا شروع کر دیا۔ ورنہ محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ ”تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہیں انکی تعداد چار ہزار اور چار سو ہے۔“ (توضیح الافکار: ۶۳ طبع مصر)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف جب چالیس ہزار حدیثوں کی نسبت کی جاتی ہے تو یہ اسانید و طرق کی کثرت سے مروی روایات کی تعداد ہوتی ہے اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بلا تکرار جو احادیث روایت کرتے ہیں انکی تعداد چار ہزار ہے، دو ہزار احادیث انہوں نے اپنے استاد امام حماد رحمہ اللہ سے اور دو ہزار دوسرے شیوخ سے حاصل کیں۔“ (مناقب للموفق: ۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ واقعی علم الحدیث کے شہنشاہ تھے۔ اور اگر نفس احادیث کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات امام بخاری رحمہ اللہ سے کہیں زیادہ ہیں اور نسبتاً کم واسطوں سے ہیں۔

مرکز علم و فضل..... کوفہ:

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وطن کوفہ ہے۔ اس لیے غیر مقلدین یہ پر لیمکینڈہ کرتے ہیں کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا نیز کوفہ میں صرف ایک دو صحابہ رہتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ آئیے اس پر لیمکینڈہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”عبد فاروقی ۷۱ھ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر شہر کوفہ آباد کیا گیا اور اسکے اطراف میں فصحاء عرب آباد کیے گئے۔ سرکاری طور پر یہاں مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔ انکے علمی مقام کا اندازہ اس مکتوب سے کیا جاسکتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو تحریر کیا تھا۔ اس میں تحریر تھا،

”عبداللہ بن مسعود کی مجھے یہاں خاص ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے میں ان کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خلافت عثمان کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور دینی مسائل کی تعلیم دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا، ”اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا۔“ (مقدمہ نصب الراية)

غیر مقلدین کے پیشوا ابن تیمیہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ”اہل کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے قبل ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، فقہ اور سنت کا علم حاصل کر لیا تھا۔“ (منہاج السنہ ج ۴: ۱۴۲)

علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”بیعت رضوان والے تین سو صحابہ اور غزوہ بدر میں شریک ہونے والے ستر صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے۔“ (طبقات ابن سعد ج ۶: ۹) ان اکابر صحابہ کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے۔ مشہور تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”حضور ﷺ کے ایک ہزار پچاس صحابہ اور چوبیس بدری صحابہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے۔“ (کتاب الکلی والالاسماء ج ۱: ۱۷۴)

حافظ ابن ہمام اور محدث علی قاری رحمہما اللہ نے کوفہ میں تشریف فرما ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد پندرہ سو تحریر فرمائی ہے۔ (فتح القدیر ج ۱: ۴۲) ان روشن دلائل کے باوجود اگر کوئی کوفہ کو ایک یا دو صحابہ کا مسکن کہے تو اسے اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ ”اہل کوفہ حدیث نہیں جانتے تھے“، اسکے جواب میں محدثین کی گواہیاں ملاحظہ فرمائیے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں حدیث کے چار ہزار طلبہ موجود تھے۔“ (تدریب الراوی: ۲۷۵)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہما اللہ کے شیوخ میں سے امام عفان بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ”جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں چار ماہ قیام کیا۔ احادیث کا وہاں اتنا چرچا تھا کہ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ احادیث لکھ سکتے تھے۔ مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثوں پر اکتفا کیا۔ ہم

نے کوفہ میں عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اسکو روک بچھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔“ (مقدمہ نصب الراية: ۳۵)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے انکے بیٹے نے پوچھا، حصول علم کے لیے ایک استاد کی خدمت میں رہوں یا دوسرے شہروں سے بھی علم حاصل کروں؟ فرمایا، سفر اختیار کرو اور کوفیوں، مصریوں، اہل مدینہ اور اہل مکہ سے علم لکھو۔ (تدریب الراوی: ۱۷۷)

امام احمد رحمہ اللہ نے اہل کوفہ کا ذکر سب سے پہلے کر کے علم و فضل کے حصول کے لیے کوفہ کی اہمیت واضح فرمائی۔ حدیث اور رجال کی کتب دیکھیں تو اکثر راوی کوفہ کے نظر آتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کی صرف پہلی جلد میں کوفہ کے تقریباً سو (۱۰۰) حفاظ حدیث کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جن میں سے اکثر صحاح ستہ بلکہ صحیحین کے راوی ہیں۔ کیا اسکے باوجود کوئی یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”جو جنگوں کا علم سیکھنا چاہے وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور حج کے مسائل اور مناسک سیکھنا چاہے وہ اہل مکہ سے سیکھے اور جو فقہ کا علم حاصل کرنا چاہے اسکے لیے کوفہ ہی ہے۔“ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

یہ بات ہم پہلے تحریر کر چکے کہ علم فقہ کی بنیاد حدیث کے علم ہی پر ہے۔ اس لیے کوفہ کو حدیث و فقہ دونوں علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی ہے جنہوں نے طلب حدیث کے لیے بہت سے اسلامی شہروں کا سفر کیا لیکن کوفہ اور بغداد تو وہ کثرت سے جاتے رہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں دو بار مصر و شام گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا اور میں ہرگز نہیں گن سکتا کہ میں کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا۔“ (مقدمہ فتح الباری)

شارح بخاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”جب امام اعظم کے وصال کے اسی (۸۰) سال بعد کوفہ کا یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحر ناپیدا کنار اپنی تفکلی بھانے کے لیے اتنی بار کوفہ گئے جس کو وہ اپنے محیر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکتے تو اسی سال پہلے تابعین کے دور میں کوفہ کے علم و فضل کا کیا حال رہا ہوگا؟“

(مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سو کا برصاحبہ کرام کی برکت سے کوفہ علم و فضل کا ایسا مرکز بن گیا تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو رُمُحُ اللہ (اللہ کا نیزہ)، کُنُزُ الْإِيمَانِ (ایمان کا خزانہ) اور جُمُجُمَةُ الْعَرَبِ (عرب کا سر) کے القاب سے یاد کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو قُبَّةُ الْإِسْلَامِ (اسلام کا گھر) قرار دیا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو ایمان کا خزانہ، اسلام کا سر اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کا لقب دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۵: ۶)

اخذ حدیث کے اصول:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (بخاری، مشکوٰۃ کتاب العلم) ہر دور میں عموماً اور قرونِ اولیٰ میں خصوصاً محدثین کرام حدیث کی روایت میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی روایت حدیث میں نہایت محتاط طریقہ اختیار کیا۔

مشہور محدث امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ علم حاصل کرنے میں نہایت محتاط اور حدودِ الہی کی بے حرمتی کرنے پر بے حد مدافعت کرنے والے تھے۔ آپ صرف وہی حدیثیں لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھیں اور آپ نبی کریم ﷺ کے آخری عمر کے فعل کو لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماء کوفہ کو عمل کرتے پایا۔ مگر پھر بھی ایک قوم نے بلا وجہ ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور انکی مغفرت کرے۔“ (الانقاء لابن عبد البر: ۱۴۲ طبع مصر)

حسن بن صالح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ”امام اعظم رضی اللہ عنہ ناخ و منسوخ احادیث کو بکثرت تلاش کرتے تھے اور اہل کوفہ کی تمام احادیث کا علم رکھتے تھے۔ لوگوں کا جس امر پر اتفاق تھا آپ اسکی سختی سے پیروی کرتے تھے اور آپ ان سب حدیثوں کے حافظ تھے جو آپ کے شہر والوں کو پہنچی تھیں۔“

(الخیرات الحسان: ۹۷)



علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے آپ ہی کا ایک اور ارشاد نقل کیا ہے کہ ”امام اعظم رضی اللہ عنہ فہم اور علم میں پختہ تھے جب آپ کے نزدیک آقا و مولیٰ ﷺ کی حدیث صحیح ثابت ہوتی تو پھر اس سے غیر کی طرف آپ ہرگز نہ جاتے۔“ (الانقضاء: ۱۲۸)

یہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ کی احادیث سے محبت کی دلیل ہے اور اس محبت کا ہی ایک تقاضا یہ ہے کہ ان تمام راستوں کو بند کر دیا جائے جن کے ذریعے کوئی رسول کریم ﷺ کی جانب غلط روایت منسوب کر سکے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خیال سے صحابہ کرام کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔ حضرت ابو اسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا، ”نہیں ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دورے مارتے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۷۱)

دور عثمانی و دور حیدری میں احادیث کی اشاعت عام ہو گئی تو اہل بدعت نے بی شمار حدیثیں وضع کر لیں۔ حماد بن زید رحمہ اللہ کے بقول چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں۔ ان حالات میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ اس وقت ان شرائط کو نہایت سخت کہا گیا۔ پھر امام مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کے متعلق جو شرائط لگائیں وہ آپ کی شرائط کے قریب تر ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو مشدّدین فی الروایۃ کہا گیا ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قلیل الروایۃ ہونے کا ایک سبب آپ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ ”کسی شخص کے لیے حدیث بیان کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اس حدیث کو سننے کے دن سے بیان کرنے تک صحیح یاد نہ رکھتا ہو۔“ (الخیرات: ۲۲۰)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ آپ کی احتیاط کا ذکر یوں کرتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ صرف وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں۔“ (تاریخ بغداد، ج ۱۳: ۳۱۹)

آپ روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہ تھے۔ محدث علی قاری لکھتے ہیں، ”امام اعظم روایت بالمعنی کو جائز نہیں کہتے، چاہے وہ مترادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو۔ جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے۔“ (شرح مسند الامام ابی حنیفہ: ۳)

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا وہ یہ تھی کہ انکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اس لیے روایت میں تغیر و تبدل کا ہر واسطہ میں احتمال بڑھتا جاتا تھا..... علامہ ذہبی رحمہ اللہ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو جھڑک دیتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں۔ وہ جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے، او مثلاً او نحوه او شبہہ، ہا اما فوق ذلک واما دون ذلک واما قریب من ذلک۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب قریب فرمایا تھا۔ ابو وراء رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایات حدیث سے منع کیا کرتے تھے انکا بھی غالباً یہی منشاء تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یا درہہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت سے تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ (سیرۃ النعمان: ۱۸۰-۱۸۳)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے اکتساب علم کیا اس لیے ایسی ہی احتیاط امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں نظر آتی ہے۔ امام صاحب نے ضبط راوی کو اخذ حدیث کے لیے بہت اہمیت دی اسکی کیا وجہ ہے؟ اگر ”ضبط“ کے مفہوم پر غور کیا جائے تو حدیث کے راوی کے لیے اس کی اہمیت و ضرورت بنیادی شرط کے طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ فخر الاسلام علامہ بزدوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

”ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ روایت کو اس طرح اخذ کیا جائے جس طرح اسکے حصول کا حق ہے، پھر اسکے صحیح مفہوم کو سمجھا جائے اور پوری کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اسکی حدود کی حفاظت کر کے اسکی پابندی کی جائے اور روایت بیان کرنے تک اسے بار بار دہرایا جائے تاکہ وہ ذہن سے اتر نہ جائے۔“ (اصول الہز دوی، ج ۲: ۷۱۶)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے آپ کی ایک اور شرط یہ تحریر کی ہے کہ ”جو حدیث سرکارِ دو عالم ﷺ سے منقول ہو اس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس پر عمل سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راوی حدیث سے صحابی راوی تک متقی و عادل لوگوں کی ایک خاص جماعت اسے نقل کرتی ہو۔“

اس حوالے سے دیکھا جائے تو امام اعظم نے وہی روایات لی ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے تابعین اور کبار تبع تابعین کو آپ نے خود ملاحظہ فرمایا۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ ارشاد علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے،

ياخذ بما صح عنده من الاحاديث التي كان يحملها الثقات - "امام اعظم ابو حنیفہ احادیث کی وہ روایات لیتے تھے جو آپ کے نزدیک صحیح ہوتی تھیں اور جنہیں ثقہ راویوں کی جماعت روایت کرتی ہو"۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ: ۲۰)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سخت شرائط کے حوالے سے امام سیوطی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، "یہ سخت مذہب ہے یعنی انتہائی درجہ کی احتیاط ہے۔ اس سلسلے میں دیگر محدثین اس اصول کو نہیں اپنا سکے۔ بہت ممکن ہے کہ بخاری و مسلم کے ان راویوں کی تعداد جو مذکورہ شرط پر پورے اترتے ہوں، نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو"۔ (تذریب الراوی: ۱۶۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی قبول روایت کے لیے شرائط امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرائط سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ علم حدیث میں آپ کی احتیاط کے بارے میں مشہور محدث و کعب بن جراح رحمہ اللہ یوں گواہی دیتے ہیں،

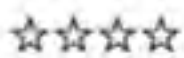
"میں نے حدیث میں جیسی احتیاط امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے یہاں دیکھی ایسی احتیاط کسی دوسرے میں نہ پائی"۔ (مناقب للموفق عربی ج ۱: ۱۹۷)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، "امام اعظم حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم و معروف ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵: ۶۱۳)

امام ترمذی و بیہقی رحمہما اللہ جرح و تعدیل میں امام اعظم کا قول بطور دلیل پیش کرتے ہیں،

"جامع ترمذی میں امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ میں نے جابر جعفی سے زائد جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے افضل نہیں دیکھا۔ بیہقی نے روایت کی کہ آپ سے سفیان ثوری سے علم سیکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، وہ قابل اعتماد ہیں، ان سے حدیث لکھو سوائے ان احادیث کے جو جابر جعفی نے ابوالخنیق سے روایت کی ہیں۔..... اس سے امام اعظم کی جلالت فی الحدیث معلوم ہوتی ہے"۔ (الخیرات: ۹۰)

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات کے متعلق آزاد خیال مصنف شبلی نعمانی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ، "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو جس بات نے تمام ہم عصروں میں امتیاز دیا وہ ہے احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت، احکام اور ان کے مراتب کی تفریق۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر مرتب اور منتشر حدیثیں یکجا کی گئیں، صحاح کا التزام کیا گیا، اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا..... لیکن تنقید احادیث، اصول و روایت اور امتیاز مراتب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا"۔ (سیرۃ النعمان: ۱۶۸)



## باب ہشتم (8)

امام اعظم کی ثقاہت:

غیر مقلدین امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتے ہیں اور اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام بخاری اور دارقطنی رحمہما اللہ نے آپ کو ضعیف کہا ہے۔ اس کے جواب میں چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

اول: امام اعظم رضی اللہ عنہ کیونکر ضعیف ہو سکتے ہیں جبکہ انکی روایت ضعیف ہونے کا کوئی سبب موجود نہیں۔ آپ یا تو صحابہ کرام سے روایات لیتے ہیں اور یا جید تابعین عظام سے اور ان میں کوئی بھی ضعیف نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام سے براہ راست اور بلا واسطہ روایت کرنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ اعزاز ہے جو آپ کے معاصر کئی محدثین کو حاصل نہ ہوا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث روایت کیں۔ انکے علاوہ کثیر تابعین کرام ہیں جن سے آپ نے علم حدیث میں استفادہ کیا۔



حضرت عبداللہ بن داؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، آپ نے اکابر تابعین میں سے کس کی صحبت سے فیض اٹھایا ہے۔ آپ نے فرمایا، قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوالزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم، شعبی، نافع اور ان جیسوں کی“۔ رضی اللہ عنہم

(مسند امام اعظم: ۳۱۱، مطبوعہ لاہور)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تین مسندوں کا صحیح نسخہ سے مطالعہ کیا ہے جن پر حفاظ حدیث کے دستخط ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ امام صاحب عادل ثقہ اکابر تابعین سے حدیث روایت کرتے ہیں جو کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق خیر القرون میں سے ہیں۔ ان میں اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری اور ان کے مانند اور ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس وہ تمام راوی جو امام اعظم رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہیں، سب عادل اور متقی ہیں۔ ان میں کوئی جھوٹا نہیں اور نہ ان میں سے کبھی کسی کی طرف سے جھوٹ کی نسبت ہوئی۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱: ۶۸)

دوم: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے کہ ”نعمان بن ثابت مر جی تھے اس بنا پر لوگوں نے انکی روایت و حدیث لینے میں سکوت کیا ہے۔“ (معاذ اللہ) یہ سراسر بہتان ہے۔ خود امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں اِز جاء کی تردید فرمائی ہے۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف ارجاء کی نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سب اصحاب مرجہ کی رائے کے خلاف ہیں..... یہاں تک کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرجیہ کے چھپے نماز جائز نہیں۔“ (معتقد الجواہر المذنیہ ج ۱: ۱۱ مطبوعہ قسطنطنیہ)

علامہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کو مرجیہ السنۃ کہا جاتا ہے۔ بہت سے اصحاب مقالات نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو مرجیہ میں شمار کیا ہے شاید اسکا سبب یہ ہے کہ چونکہ آپ قائل تھے کہ ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے اور وہ کم و بیش نہیں ہوتا اس لیے انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ عمل کو ایمان سے مؤخر رکھتے ہیں حالانکہ آپ عمل میں اپنے مبالغہ و اجتہاد کے باوجود کس طرح ترک عمل کا فتویٰ دے سکتے تھے۔“ (المسل والاخل ج ۱: ۷۹)

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشہور گمراہ فرقہ مرجیہ خالصہ ہے جبکہ مرجیہ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو اہلسنت ہیں مگر بعض ایسے مسائل کی وجہ سے جو اہلسنت کے نزدیک قابل اعتراض نہیں، لغوی معنی میں ان پر اِز جاء کا لفظ بولا گیا۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”معتزلہ ہر اس شخص کو مرجہ کہتے تھے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو دائمی جہنمی خیال نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر داخل جنت ہوگا اور خدا تعالیٰ اسکو معاف کر دیگا۔ چنانچہ اس اعتبار سے امام ابو حنیفہ، صاحبین و دیگر علماء کو بھی مرجہ کہا گیا ہے۔“ (حیات امام ابو حنیفہ: ۲۳۳)

”محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء و محدثین کے نام لکھے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانے کے بعض کوتاہ بین (غیر مقلد) اس پر خوش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے وہ ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید ان کو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اِز جاء بہت سے علماء کبار کا مذہب ہے اور اس کے قائل پر مؤاخذہ نہیں کرنا چاہیے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۳۲)

اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے۔

سوم: اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ”اِز جاء“ کی وجہ سے آپ کی روایات ضعیف قرار دی جاسکتی ہیں تو پھر اس الزام سے امام بخاری رحمہ اللہ بھی نہیں بچ سکتے کیونکہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایسے سولہ (۱۶) راویوں سے روایت لی ہے جو مرجئی ہونے میں مشہور تھے۔ انکے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

1 ابراہیم بن طہمان۔ 2 ایوب بن عائد الطائی۔ 3 شابہ بن سوار الفرازی۔ 4 عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمائی۔ 5 عثمان بن غیاث البصری۔ 6 عمر بن ذر الہمدانی۔ 7 محمد بن خازم ابو معاویہ۔ 8 ورقاء بن عمر الیشکری۔ 9 یونس بن بکیر۔ 10 ابراہیم تمیمی۔ 11 عبدالعزیز بن ابی رواد۔ 12 سالم بن عجیلان۔ 13 قیس بن مسلم الجدلی۔ 14 خلاد بن یحییٰ بن صفوان۔ 15 بشر بن محمد السخنیانی۔ 16 شعیب بن اسحاق بن عبد الرحمن۔ (تہذیب

صرف یہی نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے راویوں میں چار خارجی، چار جمعی، چار ناصبی، انیس شیعہ اور پچیس قدریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔  
(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ”الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ“ از قلم: علامہ پروفیسر نور بخش توکلی رحمہ اللہ ص ۲۳۸ تا ص ۲۶۳)

مذکورہ راویوں میں کئی تو ایسے ہیں جن پر خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں جرح بھی کیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”ایوب بن عائد کے مرجئی ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ضعفاء میں درج کیا۔ تعجب ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اسکی روایت بھی لیتے ہیں۔“

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۳۶)

چہارم: مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض متعصب متاخرین سے بھی جرح صادر ہوئی ہے جیسے دارقطنی اور ابن عدی وغیرہ۔ اس پر بہت بھاری دلائل شاہد ہیں کہ یہ جرح حسد اور تعصب کی وجہ سے کی گئی ہے اور اس تعصب سے کوئی بشر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور یہ پہلے بیان ہوا کہ اس جیسی جرح مقبول نہیں ہوتی بلکہ وہ جرح کرنے والے پر بھی پڑتی ہے۔“

(مقدمہ التعلیق لمجد علی موطا امام محمد: ۳۳)

بعض محدثین جنہوں نے حاسدوں کے پراپیگنڈے کے باعث امام اعظم پر جرح کی تھی، بعد میں اصل حقیقت معلوم ہو جانے پر امام اعظم کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا۔ ان محدثین میں حافظ ابن عدی رحمہ اللہ بھی ہیں جن کا مذکورہ بالا حوالے میں ذکر ہے۔ انہوں نے رجوع کے بعد تلافی کے طور پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بعض روایات ایک مسند میں جمع کر کے مرتب کیں۔

شارح بخاری امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبہ بن حجاج آپ کو لکھتے ہیں کہ آپ حدیث روایت کریں اور شعبہ اور سعید بھی آپ کو روایت کے لیے فرماتے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ اور صادق ہیں اور ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے امین اور حدیث میں سچے ہیں۔“ عبد اللہ بن مبارک، سفیان ابن عیینہ، عثم، سفیان ثوری، عبد الرزاق، حماد بن زید اور وکیع جیسے ائمہ کبار اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، احمد بن حنبل اور بہت سے دیگر ائمہ نے امام ابو حنیفہ کی تعریف کی ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس گفتگو سے دارقطنی کا ستم اور تعصب ظاہر ہو گیا۔ پس وہ کون ہے جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتا ہے وہ تو خود اس لائق ہے کہ اسے ضعیف کہا جائے، کیونکہ اس نے اپنی مسند میں سقیم و معلول و منکر و غریب و موضوع روایات نقل کی ہیں۔ اس لیے وہ اس کا مصداق ہے کہ ”جب لوگ امام صاحب کی عظمت و شان کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے مخالف و دشمن بن گئے۔“

مثلاً سائر میں ہے کہ سمندر مکھی کے گرنے سے گدلا نہیں ہوتا اور کتوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ و حدیث ابی حنیفہ حدیث صحیح

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، صحیح حدیث ہے۔“ (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱: ۷۰۹)

غور فرمائیے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے زمانہ تک تو ایک آدمی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہنے والا نہ ہوا مگر غیر مقلدین و حاسدین انکو پھر بھی ضعیف قرار دیں، یہ تعصب و حسد نہیں تو پھر کیا ہے؟ غیر مقلدین اپنے امام ابن تیمیہ ہی کا فرمان سن لیں۔ انہوں نے امام مالک و امام شافعی و امام احمد وغیرہ کے ساتھ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر کر کے انہیں بھی ائمة الحدیث و الفقہ یعنی ”حدیث و فقہ کا امام“ قرار دیا ہے رضی اللہ عنہم۔

(منہاج السنۃ ج ۱: ۲۳۱)

پنجم: اب آخر میں ایک امام الحدیث، ایک عظیم مورخ اور جرح و تعدیل کے ایک نامور امام کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

علم حدیث کے امام ابو داؤد رحمہ اللہ (جن کی کتاب ”سنن ابی داؤد“ صحاح ستہ کا حصہ ہے) انہوں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فقہ و حدیث کے امام ہونے کی تصریح یوں فرمائی، رحمہم اللہ مالکاً کان اماماً رحمہم اللہ الشافعی کان اماماً رحمہم اللہ اباحنیفہ کان اماماً۔



”اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام مالک پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام شافعی پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو امام ابوحنیفہ پر کیونکہ وہ امام تھے۔“ (جامع بیان العلم ج ۲: ۱۶۳)

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے بھی امام ابو داؤد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، ان ابا حنیفۃ کان اماماً۔ ”بیشک ابوحنیفہ امام تھے۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۶۰)

مؤرخ شہیر علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

ویدل علی انه من كبار المجتهدين في علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم والتعديل عليه واعتباره رداً وقبولاً۔

”علم حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مجتہدین میں سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور رد و قبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔“ (مقدمہ: ۳۳۵ طبع مصر)

اب ہم متاخر محدثین کے امام، ماہر طبقات رجال، علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی رحمہ اللہ کی رائے لکھتے ہیں جو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے پیروکار تھے اور انہوں نے حفاظ حدیث کے حالات میں 4 جلدوں پر مشتمل عظیم کتاب لکھی۔ محدثین کی اصطلاح میں حافظ وہ ہوتا ہے جسے کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ آپ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی حافظ حدیث قرار دیتے ہوئے ان القاب سے یاد کرتے ہیں،

”ابو حنیفۃ الامام الاعظم فقیہ العراق الخ۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۸)

ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام اعظم ہیں، کثیر الحدیث اور حافظ الحدیث ہیں، ثقہ اور صادق ہیں نیز آپ کی مرویات صحیح احادیث ہیں۔

جرح کا جواب:

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الخیرات الحسان“ میں ایک پوری فصل ان لوگوں کے رد میں تحریر کی ہے جنہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر جرح کی۔ آپ لکھتے ہیں،

”امام ابو عمر یوسف بن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انکی توثیق کی اور انکی تعریف کی، ان لوگوں کی تعداد ان پر جرح کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اور جن اہل حدیث نے آپ پر جرح کی، انکی اکثر جرح یہی ہوتی ہے کہ آپ رائے اور قیاس میں منہمک تھے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ کوئی عیب نہیں۔ یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ آدمی کی عظمت شان کا اندازہ اسکے بارے میں لوگوں کے اختلافات سے ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے۔ ایک حد سے زائد محبت کرنے والے اور دوسرے بغض کرنے والے۔

امام بخاری کے شیخ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سفیان ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام اور جعفر بن عون رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں اور امام شعبہ رحمہ اللہ ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا، ہمارے اصحاب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں زیادتی کرتے تھے تو ان سے پوچھا گیا، کیا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق جھوٹ کی نسبت صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا، نہیں وہ اس عیب سے بلند تر اور پاک ہیں۔

طبقات شیخ الاسلام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ میں ہے کہ محدثین کے اس قاعدہ کو مطلق سمجھنے سے بچو کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس کی عدالت ثابت ہو جائے اور اسکی تعریف کرنے والے بہت ہوں اور اس پر جرح کرنے والے کم ہوں اور یہ قرینہ بھی موجود ہو کہ اس پر جرح کی وجہ مذہبی تعصب ہے یا اسکے علاوہ کوئی اور وجہ ہے تو ایسے شخص کی جرح لائق التفات نہیں۔

پھر طویل گفتگو کے بعد فرمایا، جرح کرنے والے کی جرح اس شخص کے متعلق قبول نہ کی جائے گی جس کی اطاعت اسکی معصیت پر غالب ہو، اور جس کی تعریف کرنے والے اسکی مذمت کرنے والوں پر غالب ہوں، اور جس کی تعدیل کرنے والے اسکی جرح کرنے والوں پر غالب ہوں، جبکہ وہاں ایسا

قرینہ موجود ہو جو یہ ظاہر کرے کہ یہ جرح مذہبی یا دینی تعصب کی بناء پر ہے یا کوئی اور وجہ ہو تو اس وقت سفیان ثوری وغیرہ کا کلام امام ابوحنیفہ کے متعلق، ابن ابی ذئب وغیرہ کا امام مالک کے متعلق، یحییٰ بن معین کا امام شافعی کے متعلق کلام لائق التفات نہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

اگر مطلقاً جرح کو تعدیل میں مقدم کریں تو کوئی امام نہ بچے گا کیونکہ ہر امام کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعنہ زنی کی ہے اور ہلاک ہونے والے اس میں ہلاک ہوئے ہیں۔..... بزرگوں سے ایک دوسرے کے حق میں بہت سی باتیں غصہ کی حالت میں صادر ہو گئیں، بعض تو حسد پر محمول ہوئیں اور بعض کی تاویل کی گئی تاکہ جس کے حق میں بات کہی گئی اس پر کچھ حرف نہ آئے۔ (صفحہ ۲۴۸ تا ۲۵۱)

خطیب بغدادی نے اپنی اصول حدیث کی کتاب ”الکفایہ فی علم الروایہ“ میں جرح کے قاعدے کے تحت امام مالک، سفیان ثوری سے لیکر یحییٰ بن معین رحمہم اللہ تک ایک طبقہ قائم کر کے لکھا ہے: ”جو اصحاب بلندی ذکر، استقامت حال، صداقت کی شہرت اور بصیرت و فہم میں اصحاب بالاک کی مثل ہوں، اُن کی عدالت کی بابت سوال نہیں کیا جاسکتا“۔ اور یہ روایت بھی لکھی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اسحاق بن راہویہ کی بابت سوال کیا گیا تو جواب میں کہا، کیا اسحاق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت سوال کیا جاسکتا ہے؟

مقام غور ہے کہ جب اسحاق بن راہویہ جیسی شان کے آدمی کی نسبت بقول امام احمد بن حنبل سوال نہیں کیا جاسکتا تو امام اعظم کی شان تو اس سے بہت زیادہ ارفع اور بدرجہا بالاتر ہے۔ (امام ابوحنیفہ اور انکے ناقدین: ۵۳)

کسی نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا، فلاں شخص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا، لوگوں نے امام اعظم سے اس لیے دشمنی کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ فضیلت عطا کی جس سے آپ شرفاء اور معززین پر فائق ہو گئے۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۳)

شیخ طاہر یثربی رحمہ اللہ نے محدث ابن الاثیر جزری شافعی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ”امام ابوحنیفہ کی طرف خلق قرآن، قدر، ارجاء جیسے اقوال منسوب کیے گئے جن سے ان کا دامن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اُن کو ایسی شریعت دینا جو سارے آفاق میں پھیل گئی اور جس نے روئے زمین کو ڈھانپ لیا، اور انکے مذہب و فقہ کا مقبول عام ہونا، اُن کی پاکدامنی کی دلیل ہے۔ اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا بستر خفی نہ ہوتا تو نصف یا اسکے قریب اسلام اُن کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے نہ ہوتا۔“ (المغنی: ۴۳۰)

جب کوئی شخص امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کرتا تو وہ دواشعار پڑھتے جن کا مفہوم یہ ہے: ”لوگوں نے اس نوجوان سے حسد کیا کیونکہ وہ اسکے رتبہ کو نہ پہنچ سکے لہذا لوگ اب اسکے مخالف اور دشمن بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح خوبصورت عورت کی سونئیں حسد اور جلن کی وجہ سے اسکے خاوند سے کہتی ہیں کہ وہ تو بد صورت ہے۔“ (ذیل الجواہر ج ۲: ۴۶۸)

اسی لیے مبسوط میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عالم کی شہادت دوسرے عالم کے خلاف مقبول نہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ حسد و بغض رکھتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۴)

علماء کرام نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے پانچ اسباب کا ذکر کیا ہے۔ اول: حسد و رقابت، دوم: قاضی صاحبان کے فیصلوں میں غلطیوں کی نشاندہی اور انکی اصلاح کرنا، سوم: آپ کا عجمی ہونا، چہارم: آپ کے اصول اجتہاد، طریق استنباط اور دلائل سے ناواقفیت اور پنجم: مفسد اور فتنہ پرور لوگوں کا پراپیگنڈہ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹی روایتیں گڑھا کرتے تھے۔

آخر الذکر کے متعلق شارح بخاری لکھتے ہیں: ”ایسے لوگوں پر حیرت نہیں، حیرت امام بخاری رحمہ اللہ پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع (مثلاً نعیم بن حماد) کی روایتوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔“ حالانکہ نعیم بن حماد کے متعلق محدثین کی جرح موجود ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول، ”یہ تقویت سنت کے لیے جعلی حدیثیں بنایا کرتا اور امام ابوحنیفہ کی توہین کے لیے جھوٹے قصے گھڑ کر پیش کرتا تھا۔“ ملاحظہ ہو، تھذیب التھذیب، ج ۱۰: ۴۶۳، میزان الاعتدال، ج ۴: ۲۶۹۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”حدیث درست نہیں رہتی مگر فقہ کے ساتھ، اور فقہ درست نہیں رہتی مگر حدیث کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جو دونوں میں سے ایک میں لائق ہو اور دوسری میں نہ ہو وہ مصب قضاء و فتویٰ کے لائق نہیں۔ کیونکہ محدث جو فقیہ نہ ہوا کثر غلطی کرتا ہے۔“

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ ان سے دو بچوں کی بابت فتویٰ طلب کیا گیا جنہوں نے ایک بکری کا دودھ پیا۔ امام بخاری



رحمہ اللہ نے انکے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اور یہ انکے بخارا سے نکلنے کا سبب ہوا۔ (الاقوال الصحیحہ: ۱۵۱: بحوالہ کشف الاسرار شرح منار)

یہ واقعہ امام ابوحنیفہ کبیر حنفی رحمہ اللہ کے زمانے میں ہوا۔ علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اسی واقعہ کے سبب امام بخاری رحمہ اللہ کے دل میں حنفی علمائے کرام کی طرف سے کشیدگی پیدا ہوگئی چنانچہ انہوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی صحیح میں اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی تاریخ میں توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے۔ تجاوز اللہ عنا وعنہ۔ (الاقوال الصحیحہ فی جواب البحر علی ابی حنیفہ: ۱۵۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے نعیم بن حماد کے علاوہ اپنے شیخ حمیدی کے حوالے سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسی لغو باتیں نقل کیں جو انکے شایانِ شان نہ تھیں۔ انہوں نے حمیدی کے حوالے سے لکھا کہ امام اعظم کو مکہ میں ایک حجام سے تین سنتیں حاصل ہوئیں۔ پھر حمیدی نے کہا، ”وہ شخص جس کو مناسک حج کی سنتیں معلوم نہ تھیں، احکامِ الٰہی، وراثت، فرائض، زکوٰۃ، نماز اور دوسرے امورِ اسلام میں کس طرح اسکی تقلید کی جاسکتی ہے۔“ (تاریخ صغیر: ۱۵۸)

حمیدی کے متعلق امام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ کی رائے بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ فرمایا، ”وہ فقہائے عراق کے بارے میں شدت پسند تھے اور انکے خلاف برے کلمات استعمال کرتے تھے۔“ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ)

حمیدی کے دعوے کے برخلاف جلیل القدر تابعی امام اعظم رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زیادہ حج کے مسائل جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ جب حج پر جانے لگے تو انہوں نے حج کے مسائل امام اعظم رضی اللہ عنہ سے لکھوائے اور فرمایا، امام اعظم سے مناسک حج لکھ لو، میں حج کے مسائل کا ان سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں جانتا۔“ (الخیرات الحسان: ۹۹)

غیر مقلدوں کے امام ابن تیمیہ نے آزاد خیالی کے باوجود ایسے متعصب حاسدوں کی پُر زور تردید کی اور لکھا، ”امام ابوحنیفہ سے بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود کوئی شخص بھی انکے تفقہ، فہم اور علم میں شک و شبہ نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگوں نے انکی توہین و تحقیر کے لیے انکی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں جیسے خنزیرِ بری کا مسئلہ اور اس قسم کے دیگر مسائل۔“ (منہاج السنۃ، ج ۱: ۲۵۹)

آخر میں علامہ سخاوی رحمہ اللہ کا فیصلہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں،

”حافظ ابن حبان نے کتاب السنۃ میں، یا حافظ ابن عدی نے کامل میں، یا ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں، یا بخاری اور نسائی نے بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا، یہ انکی شانِ علم و اتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں انکی پیروی نہ کی جائے، اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔“ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۶)

مقامِ امام اعظم اور امام بخاری:

چودھویں صدی ہجری کے مجددِ برحق، شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلدین کے ایک اعتراض کے جواب میں کثیر دلائل دیکر آخر میں فرماتے ہیں،

”امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے امام و متبوع سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ ”تمام مجتہدین امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔“ حفظ حدیث و نقد رجال و تصحیح صحیح و وضع روایات میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنے زمانے میں پایہ رفیع والا، صاحبِ رتبہ بالا، مقبولِ معاصرین و مقتدائے متاخرین ہونا مسلم۔ کتب حدیث میں انکی کتاب بیشک نہایت چیدہ و انتخاب جس کے تعالیق و متابعات و شواہد کو چھوڑ کر اصولی مسانید پر نظر کیجیے تو ان میں گنجائشِ کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں۔ رضی اللہ عنہ

اور یہ بھی بحمدہ حنفیہ و شاگردانِ امام ابوحنیفہ و شاگردانِ شاگردِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مثل امام عبد اللہ بن مبارک و امام یحییٰ بن سعید قطان و امام فضیل بن عیاض و امام مسعر بن کدام و امام وکیع بن الجراح و امام لیث بن سعد و امام معلیٰ بن منصور رازی و امام یحییٰ بن معین و غیر ہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم، جمیع کا فیض

تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ان کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابو حنیفہ کے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (گویا امام بخاری، امام اعظم کے پانچویں درجے میں شاگرد ہوئے)

مگر یہ کاراہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کاراجل واعظم یعنی فقہات واجتہاد کی بھی فرصت پاتے۔ اللہ عزوجل نے انہیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمت معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ محدث ومجتہد کی نسبت عطار وطیب کی مثل ہے۔ عطار دوا شناس ہے، اسکی دکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیص ومعرفت علاج وطریق استعمال طیب کا کام ہے۔ عطار کامل اگر طیب حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے، معذور ہے خصوصاً ملک اطباء حذاق امام الائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی دقت مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری رحمہ اللہ تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، بلکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پانچویں درجے میں جا کر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمان اعمش رضی اللہ عنہ کہ اجلہ تابعین وامام ائمہ محدثین سے ہیں، حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے۔

اسوقت ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا۔ آپ نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ جواب آپ نے کہاں سے اخذ کیے؟

آپ نے فرمایا، انہی حدیثوں سے جو میں نے آپ سے سنیں۔ اور پھر آپ نے وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں۔ امام اعمش نے فرمایا، ”بس کیجیے، میں نے جو حدیثیں سودن میں بیان کیں وہ آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنادیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث سے اس قدر مسائل اخذ کرتے ہیں۔“

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة والت ایہا الرجل بکلا الطرفين۔

اے فقہاء! تم طیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ اور اے ابو حنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے گھیر لیے۔“

یہ روایت امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ شافعیہ نے اپنی تصانیف الخیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی۔ یہ تو یہ، خود ان سے بدرجہا اجل واعظم، ان کے استاذ اکرم واقدم، امام عامر شعمی رضی اللہ عنہ جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، حضرت مولیٰ علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید و ابو ہریرہ و انس بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجبریر بن عبداللہ وغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاذ جن کا پایہ رفیع، حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں، ”میں سال گزرے ہیں کہ کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔“ ایسے مقام والا مقام با آں جلالت شان فرماتے ہیں، ”ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں، ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر روایت کریں گے۔“ اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں تحریر کیا ہے۔

کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الہی اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں، دس بارہ ہی برس امام حفص کبیر بخاری رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ حنفیہ سے فقہ حاصل فرماتے تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال شریفہ کی جلالت شان وعظمت مکان سے آگاہ ہو جاتے، امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی طرح ائمہ محدثین وائمه فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیم ازل جو حصہ دے۔

۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند میل او اندر دلش انداختند

یعنی جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے بلکہ ان ظاہر بینوں کے یہاں وہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتبور ومعیوب قرار پاتے۔ فالی اللہ المحشکی وعلیہ التحکان (اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں فریاد ہے اور اسی پر بھروسہ ہے)۔

بالجملہ ہم اہل حق کے نزدیک حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو حضور پُر نور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور پُر نور



امیر المؤمنین مولیٰ المسلمین سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسبی سے کہ فرق مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن ان پر بھی کارِ قنار۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں (عیاذ باللہ) اسد اللہ رضی اللہ عنہ کے سبقت و اولیت و عظمت و اکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ نا صبی یزیدی، اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت و نسبتِ بارگاہِ رسالت بھلا دے وہ شیعہ یزیدی۔

یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلِ اہلِ توسط و اعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے۔ یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوثِ اعظم اور محدث علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایت محمد یہ شیخ اکبر سے ہے۔ نہ ہم بخاری و ابن جوزی و علی قاری کے اعتراضات سے شانِ رفیع امامِ اعظم و غوثِ اعظم و شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے، الجہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انکا منشاء اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ اُن اکابر محبوبانِ خدا کے مدارکِ عالیہ تک درسِ ادراک نہ پہنچنا لاجرم اعتراضِ باطل اور معترضِ معذور، اور معترضِ علیہم کی شانِ ارفع و اقدس۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۱ مطبوعہ لاہور)

اصح کتب الحدیث:

بعض اہل بدعت یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ خفی بخاری کو ”اصح الکتاب“ مانتے ہیں تو بخاری پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اس میں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو، آمین بلند آواز سے کہو، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو وغیرہ، تو پھر خفی ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

اسکے جواب میں شارح بخاری لکھتے ہیں کہ اصح کتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثناء ان سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں، اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں۔ البتہ دوسری کتابوں کے بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب اصح الکتاب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔

امام بخاری سے (بتقاضائے بشریت) اس کتاب میں کئی جگہ لغزش ہوئی ہے اس لیے اصح الکتاب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو بلکہ امام بخاری کا قول اور انکی تحقیق ہو سب حق ہے، یہ اصح الکتاب کی معنی کی تحریف ہے۔ جس نے بھی بخاری کو اصح الکتاب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فرمودات (اور اقوال) کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا۔ مگر کیا کیجیے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو وہ اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۳۵)

باقی رہے نماز سے متعلقہ امور تو اس بارے میں عرض ہے کہ کئی امور کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے محض اپنی رائے کو ابواب کے عنوان کے طور پر پیش کیا ہے اور کئی امور کے لیے ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جو منسوخ ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق نماز سے متعلق ہم ایک باب میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

بعض کم علم و کم فہم یہ کہتے ہیں کہ ”صرف وہ احادیث معتبر ہیں جو بخاری میں ہیں، انکے سوا کوئی حدیث معتبر نہیں“۔ یہ بات بھی بالکل غلط اور گمراہی ہے۔ کیا یہ نظریہ کسی آیت یا حدیث سے اخذ کیا گیا ہے یا یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ارشاد فرمائی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ ”میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے لیکن کثیر تعداد میں صحیح حدیثوں کو روایت نہیں بھی کیا ہے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔“ جبکہ انکی کتاب صحیح بخاری میں کل سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) احادیث ہیں اور اگر تکرار کو حذف کر دیا جائے تو صرف چار ہزار حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔

(الاکمال فی اسماء الرجال: ۱۳۸)

اگر صحیح بخاری کی کل احادیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ایک لاکھ صحیح احادیث سے نکال لیا جائے تب بھی بانوے ہزار سات سو پچیس (۷۲۷۵) صحیح احادیث کا عظیم ذخیرہ باقی رہ جاتا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد تھے اس لیے انہوں نے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صحیح بخاری میں وہی احادیث جمع کیں جو مذہبِ شافعی پر دلیل

ہیں۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ :-

”میں نے اس کتاب میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ جن احادیث کو میں نے چھوڑ دیا ہے، وہ ضعیف ہیں۔“

امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ کے ان ارشادات سے ثابت ہوا کہ کسی حدیث کا بخاری یا مسلم میں نہ ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اصول و ضوابط کے مطابق اگر وہ حدیث ضعیف ہے تو بخاری و مسلم میں ہونے کے باوجود ضعیف ہے اور اگر راوی قوی ہیں اور وہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ کسی اور کتاب میں مروی ہے تو وہ حدیث ہرگز ضعیف نہیں ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”یہ دونوں کتابیں اصح کتب الحدیث ہیں مگر ان میں تمام احادیث صحیحہ کا احاطہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کی اپنی شرائط کے مطابق جو حدیثیں ہیں وہ سب بھی ان کتابوں میں درج نہیں ہیں۔“ (فتح المغیث ج ۱: ۳۳)

نیز اہل علم کے نزدیک یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف روایات بھی ہیں۔ ایسے ضعیف راویوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”جن راویوں سے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں انکی تعداد 435 ہے جن میں سے 80 راویوں کو ضعیف کہا گیا ہے۔ اور جو راوی امام مسلم کے ساتھ مخصوص ہیں انکی تعداد 620 ہے ان میں سے 160 کو ضعیف کہا گیا ہے۔“ (ایضاً: ۲۹)

☆☆☆☆

### باب نہم (9)

عمل بالحدیث:

بعض لوگوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ بدگمانی کی ہے کہ وہ احادیث صحیحہ کے خلاف بلا کسی دلیل کے عمل کرتے تھے (معاذ اللہ)۔ اس عنوان سے امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں ایک فصل تحریر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، ”جن لوگوں نے یہ گمان کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے سستی کی اور آپ کے اصول و قواعد کی پرواہ نہ کی اور ان میں غور و فکر نہ کیا کیونکہ ان میں سے جیسا کہ ابن عبد البر وغیرہ نے کہا ہے کہ خبر واحد جب اجماعی اصولوں کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ ایسی خبر پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔“ (صفحہ ۲۰۸ ملخصاً)

فقہ حنفی کی معتبر کتب میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے جبکہ وہ اجماعی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ حنفیوں کے اصل ”اصحاب الحدیث“ ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں، ”کیونکہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں (اسلیے وہ اصل الحدیث ہیں)۔“ (رد المحتار ج ۲: ۳۶۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک خبر واحد سے عموم قرآن میں نہ تو تخصیص ہوتی ہے اور نہ ہی نسخ ہوتا ہے کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن یقینی ہے اور جو دلیل زیادہ قوی ہو، اس پر عمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی قسم کی حدیث یہ ہے کہ ”سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔“ یہ حدیث قرآن کی آیت فاقراء واما تیسر منہ (قرآن سے جو چاہو، تلاوت کرو) کے مخالف ہے۔ اس موضوع پر امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی تصنیف الخیرات الحسان کی چالیسویں فصل کا ضرور مطالعہ کیجیے۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نسخ و منسوخ احادیث کو تلاش کرتے اور نسخ حدیث پر عمل کرتے۔ ظاہر ہے کہ نسخ حدیث پر عمل بھی تو حدیث پر ہی عمل ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ محض اپنی رائے سے تو حدیث کو منسوخ نہیں کرتے تھے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کی روایت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ برتن میں کتے کے منہ ڈالنے سے تین مرتبہ دھونے پر عمل کیا جاتا ہے جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل ہے حالانکہ انہی سے سات مرتبہ دھونے کی روایت موجود ہے۔“ (الخیرات الحسان: ۲۶۱)

اس کی ایک اور واضح مثال نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کا مسئلہ ہے جو صحیح احادیث کی رو سے منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر صرف صحاح ستہ کو دیکھا جائے تو نسخ حدیثیں صحیح مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور بخاری میں بھی موجود ہیں۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب سۃ الجلس فی التہجد میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور رفع یدین کا ذکر نہیں کیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔ رفع



یدین، آمین باکھر، قرآنہ خلف الامام ودیگر مسائل پر ہم علیحدہ سے ایک باب میں گفتگو کریں گے۔

”مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے مثلاً نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ قیاس کے خلاف ہے امام مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ یہ ناقص وضو نہیں۔ امام محمد رضی اللہ عنہ اس بارے میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ ”روزے میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا“۔ حالانکہ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ کیونکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ جب کھاپی لیا تو روزہ ختم۔ امام نے فرمایا، ”اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتی تو میں روزہ قضا کرنے کا حکم دیتا“۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۰۷)

اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ قیاس کی رو سے تو قرعہ اندازی درست معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم قیاس کو حدیث اور سنت نبوی کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلے عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حیض کی مدت پندرہ دن ہے مگر جب آپ کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی کہ ”حیض کی مدت تین دن سے دس دن تک ہے باقی ایام اگر خون آئے تو استحاضہ ہے“ تو آپ نے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا اور قیاس ترک کر دیا۔ (مناقب للموفق: ۱۰۳)

جب آپ کی امام باقر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، سنا ہے تم قیاس کی بناء پر ہمارے نانا رسول کریم ﷺ کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو؟ آپ نے عرض کی، یہ سراسر بہتان ہے۔ دیکھیے! عورت مرد سے کمزور ہے لیکن وراثت میں اس کا حصہ مرد سے نصف ہے۔ اگر میں قیاس کرتا تو فتویٰ دیتا کہ عورت کو مرد سے دو گنا حصہ ملنا چاہیے لیکن میں ایسا نہیں کرتا۔ اسی طرح نماز، روزے سے افضل ہے جبکہ حاکمہ عورت پر روزے کی قضا ہے، نماز کی نہیں۔ اگر میں قیاس کرتا تو حیض سے پاک ہونے والی عورت کو نماز کی قضاء کا بھی حکم دیتا مگر میں حدیث کے مطابق روزے ہی کی قضاء کا حکم دیتا ہوں۔ یونہی پیشاب منی سے زیادہ نجس ہے۔ اس لیے اگر میں قیاس کرتا تو پیشاب کرنے والے کو غسل کا حکم دیتا اور احتلام والے کو صرف وضو کے لیے کہتا۔ لیکن میں احادیث کے مقابل قیاس نہیں کرتا۔ یہ سن کر امام باقر رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (مناقب للموفق: ۱۲۶)

اسی طرح شرعی احکام والی روایت کا ایک سے زیادہ صحابہ سے منقول ہونا ضروری ہے۔ اس لیے عضو خاص کو چھونے سے وضو ٹوٹنے والی حدیث پر عمل نہیں کیا گیا جس کو صرف حضرت بسرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا روایت کیا حالانکہ اس کا جاننا عام لوگوں کے لیے ضروری تھا۔ (الخیرات الحسان: ۲۶۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو کسی فنی سقم کی بناء پر نامقبول ہو اور اسکے مقابل صحیح حدیث موجود ہو۔ آپ چھو ہاروں کے بدلے میں تازہ کھجور کی تجارت جائز قرار دیتے ہیں۔ اہل بغداد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو چھو ہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ حدیث زید بن ابی عیاش پر موقوف ہے اور ان کی روایت متروک سمجھی جاتی ہے اس لیے یہ نامقبول اور شاذ ہے۔ جبکہ صحیح حدیث کی رو سے یہ تجارت جائز ہے۔ (فتح القدیر ج ۵: ۲۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو حضور ﷺ کی خصوصیت ہو اور حضور ﷺ کے بعد کسی صحابی نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر بخاری میں حضور ﷺ کے نجاشی بادشاہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس وقت نجاشی کا جنازہ نبی کریم ﷺ کی نگاہ پاک سے اوجھل نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۳: ۲۵، فتاویٰ رضویہ ج ۹: ۳۳۷)

یعنی اس طرح نماز جنازہ ادا کرنا صرف حضور ﷺ ہی کی خصوصیت تھا۔ آپ کے بعد دور صحابہ میں بیشار مسلمان فوت ہوئے مگر کبھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کی گئی۔ اس بناء پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے۔ اس بارے میں تفصیل جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کا تحقیقی اور مدلل رسالہ، فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

عمل بالحدیث کے حوالے سے شارح بخاری رقمطراز ہیں، ”احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر

سکتا۔ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے:-

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعنہ دہی دے گا جو فقہ حنفی سے جا مل ہوگا۔ جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ منصف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:-

۱۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ حدیث کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد، تو یہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ قیاس کی ان چاروں قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔

۳۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے۔ مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے۔ لہذا امام اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں قہقہہ کو ناقص وضو مانتے ہیں۔

یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی رحمہ اللہ نے پیش کیے۔ اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے۔

(مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۹۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بہت عمدہ بات کہی، وہ فرماتے ہیں، ”شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے مذہب حنفی کو بیان کرتے ہوئے اس قدر احادیث پیش کی ہیں کہ قریب ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اہل رائے میں سے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اصحاب ظواہر میں سے ہیں۔“ (تعارف فقہ و تصوف: ۲۰۶)

امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”جس شخص نے بھی ان ائمہ کے کسی قول پر طعن کیا ہے محض جہالت کی وجہ سے کیا ہے۔ یا تو وہ آپ کی دلیل نہیں سمجھ سکا اور یا وہ قیاس کی وجوہات کی باریکی کو نہ جان پایا۔ خاص طور پر امام اعظم رحمہ اللہ پر طعن تو انتہات کے لائق ہے ہی نہیں کیونکہ سلف و خلف ان کے کثرت علم، ورع و تقویٰ، عبادت، وجوہ قیاس و مدارک اور استنباطات کی دقت اور باریکی بنی پر متفق رہے ہیں۔“

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱: ۵۴)

اب آخر میں علامہ شامی رحمہ اللہ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے۔ وہ فرماتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ”جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے۔“ اس سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا مذہب صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ حدیث کا ضعیف ہونا راوی کے ضعف کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ آپ نے بلا واسطہ صحابہ کرام سے احادیث سنیں یا تابعین سے۔ اس لیے آپ تک پہنچنے والی تمام احادیث صحیح ہیں۔

ضعیف حدیث، قیاس پر مقدم ہے:

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے بہترین انداز میں سمجھایا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں، ”غیر مقلدین منیٰ کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منیٰ کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو بخاری و مسلم نے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منیٰ دھوتی تھی۔ دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس ﷺ اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منیٰ مل دیتی اور حضور ﷺ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ



تھوک اور کھنکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے۔ اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ مثلاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی۔ کپڑے پر لگنے والی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں جبکہ احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منیٰ کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ نجاست سے پاکی کیسے ہوگی قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ علاوہ ازیں منیٰ کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام ابن امام رحمہ اللہ نے دارقطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقى والدم والمنى۔

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منیٰ سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے۔ حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر طبرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں محل نے کہا، لا باس بہ۔ امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی۔ اور احکام میں یہ بھی حجت ہے۔ اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور الٰہی حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۸)

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے انھوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے سفر میں کھجور کی بنیذ سے وضو کرنے کو قیاس اور رائے پر مقدم کیا ہے اور انھوں نے ضعیف حدیث ہی کی وجہ سے دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے سے منع کیا ہے۔ اور ایک حدیث کی وجہ سے کہ اس میں ضعف ہے آپ نے اکثر حیض دس دن قرار دیا ہے۔ اور جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے شہر کی شرط اسی طرح کی حدیث سے رکھی ہے اور کنوئیں کے مسائل میں آثار غیر مرفوعہ کی وجہ سے قیاس محض کو چھوڑ دیا ہے۔ پس امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔“ (اعلام الموقعین ج ۱: ۷۷)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ ایسے ہی دلائل دے کر فرماتے ہیں، ”جب یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی (کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف حدیث پر عمل قیاس سے بہتر ہے) تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ان چیزوں سے پاکدامنی ثابت ہو گئی جو آپ کی طرف آپ کے دشمنوں اور آپ کے اصول سے ناواقفوں نے منسوب کی تھیں بلکہ ان لوگوں کو تو مواقع اجتہاد تک کی خبر نہیں کہ ان کے اصول کیا ہیں اور انھوں نے یہ کہہ دیا کہ آپ نے اخبار احاد بلا حجت ترک کر دیں حالانکہ آپ نے کوئی خبر بھی ایسی دلیل کے بغیر نہ چھوڑی جو آپ کے نزدیک زیادہ قوی اور واضح نہ ہو۔

ابن حزم ظاہری نے کہا، احناف کا اجماع ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف، رائے پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔ تو آپ سوچ لیجیے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو احادیث کا کس درجہ اہتمام تھا اور احادیث کی عظمت شان کا کتنا پاس تھا۔ اس لیے آپ نے احادیثِ مرسلہ پر عمل کو قیاس پر مقدم رکھا ہے۔ چنانچہ آپ نے قہقہہ سے وضو کو واجب کر دیا صرف خبر مرسل کی بناء پر حالانکہ قیاس کے لحاظ سے یہ حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں ناقص وضو نہ کہا، نص پر اقتصار کرتے ہوئے کیونکہ یہ رکوع اور سجود والی نماز کے بارے میں ہے۔“ (الخیرات: ۲۶۳)

ایک صاحب نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی کا یہ قول نقل کیا کہ ”نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث۔“ اس قول کو نقل کر کے امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اس شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے عقل اس کی تصدیق نہیں کرتی۔ بحمدہ تعالیٰ جب میں نے کتاب ”ادلۃ المذاہب“ تالیف کی تو اس وقت میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے دلائل دیکھے۔ میں نے ان کا اور ان کے اصحاب کا کوئی قول ایسا

نہیں دیکھا جو کسی آیت یا حدیث یا اثر یا اس کے مفہوم یا ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہوں یا کسی ایسے مستند قیاس کی بنیاد پر نہ ہوں جو کسی صحیح اصل پر مبنی ہے۔ (میزان الشریعہ: الکبریٰ ج ۱: ۵۵)

احناف صحیح احادیث پر عامل ہیں:

”جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ماء قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مز یا پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مز اظاہر نہ ہو پانی پاک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ چوبہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چوہے اور چوہے کے ارد گرد کو پھینک دو باقی گھی کھاؤ۔ (بخاری: ۳۷)

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ یہ خود محل نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جیسے ہوئے گھی کے بارے میں ہے۔ نیز چوہے کے ارد گرد کو پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہو یا یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے چونکہ چوہے کا ارد گرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لئے ارد گرد ناپاک ہو گیا۔ لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزے کا گھی میں آ جانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آ جائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آ سکتا ہے مگر پھر ارد گرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک اثر پہنچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہیئے۔

اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لئے رنگ یا بو یا مزے کا سرایت کرنا ضروری نہیں محض نجاست کے گرنے سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔ پھر یہ حکم منجمد کا ہے اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے لہذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو مٹکے ہے تو پاک ہے اس سے کم ہے تو ناپاک۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:-

اذا كان الماء قلتين لا يحمل النجث۔ جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔ (مشکوٰۃ: ۵۱)

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر مٹکے کا تعین بھی مشکل ہے۔ مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔ کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟

دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔ جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لا یسولن احدکم فی الماء الراکد الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ۔ اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتانہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرو۔ پھر اسی میں غسل کرو۔ (بخاری ج ۱: ۳۷)

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری رحمہ اللہ قیاس پر۔ پھر بھی احناف تارک حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟؟؟ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۹)

اگر صحیح احادیث متعارض ہوں تو:

”اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا، کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔



اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا، ہم سے حماد نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے اور وہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزہری عن سالم عن ابیہ۔ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدیثی حماد عن ابراہیم عن علقمہ۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے حدیث کو علوسند سے ترجیح دی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلے۔ غیر مقلدیت کے معلم اول میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انہیں ٹوکا تو فرمایا کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی میں اس کو زندہ کر رہا ہوں۔ اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر شہیدوں کے ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو خاموش رہے مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا مگر اسے کچھ نہیں آیا۔ حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو، سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۰۰)

☆☆☆☆

## باب دہم (10)

مخالفت حدیث کا الزام:

بعض غیر مقلد یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسائل صحیح احادیث کے مخالف ہیں۔ اس الزام کے جواب میں آزاد خیال ہونے کے باوجود شبلی نعمانی اپنی تحقیق یوں لکھتے ہیں،

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی، بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانے تک احادیث کا استقصاء نہیں کیا گیا تھا اس لیے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال لغو اور بے سرو پا ہے۔ امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئیں تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں، اس وقت بڑے بڑے محدثین ان کے مسائل کو کیوں صحیح تسلیم کرتے رہے۔

ولیع بن الجراح رحمہ اللہ جن کی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جن کی نسبت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ ”میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا“، وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے متعلق لکھا ہے، کان یفتی بقول ابی حنیفہ۔ (وہ امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے) یحییٰ بن سعید بن القطان رحمہ اللہ جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پیرو تھے۔ خود ان کا قول ہے، قد اخذنا با کثر اقوالہ۔ (ہم نے امام اعظم کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے) امام طحاوی رحمہ اللہ حافظ الحدیث تھے جو مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل اختیار کیے اور کہا کرتے تھے، میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھ کو ان سے تو ارد ہے۔ امام طحاوی، امام بخاری اور مسلم کے ہم عصر تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ مارونی، حافظ زلیعی، ابن الہمام، قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً خفی مسائل کے حامی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اس کے علاوہ جو لوگ حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں؟ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد بن حنبل ہیں جن کی شاگردی پر امام بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جن کی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد بن حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی

نہیں۔ امام احمد بن حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

خوارزمی نے لکھا ہے کہ ”فروع و جزئیات چھوڑ کر اہمات فقہ کے متعلق ۱۲۵ مسئلوں میں ان کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف“۔ ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے، ان کے مسائل امام ابو حنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لا بی حنیفۃ۔ ”خدا کی قسم! سفیان مجھ سے زیادہ ابو حنیفہ کی پیروی کرتے ہیں“۔ ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں جو زیادہ تر امام شافعی کے مخالف اور امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اس خیال کے پیدا ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری، ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے متعدد مسائل کی تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنے والوں کی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح اور اعتراض کیا ہے۔ امام شافعی، امام مالک کے مخلص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے، ”آسمان کے نیچے موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں“۔ باوجود اس کے انہوں نے امام مالک کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گزرا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ لیث بن سعد رحمہم اللہ جو مشہور محدث ہیں، کہا کرتے تھے کہ امام مالک رحمہم اللہ نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں ان کو اس امر کی نسبت خط لکھوں۔ امام شافعی رحمہم اللہ بھی اس اعتراض سے نہیں بچ سکے اور کیونکر بچ سکتے تھے، جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریت ذوی الارحام وغیرہ میں ان کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور ان کی بناء پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے۔ جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ پھر اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جس میں مجتہدین بہت کم حقائق الزائے ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جدا گانہ ہیں۔“ (سیرۃ النعمان: ۲۹۷ تا ۳۰۰)

جب کسی مسئلہ میں متعدد متعارض روایات آجائیں تو ایسی صورت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان روایات میں تطبیق دی جائے تاکہ تمام روایات پر عمل ہو سکے۔ اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر آپ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو دین اور اصول روایت کے قریب ترین ہو۔ ایسی صورت میں امام مالک رضی اللہ عنہ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس پر اہل مدینہ کا عمل ہو اور امام شافعی رضی اللہ عنہ قوت سند کے اعتبار سے کسی ایک روایت کو لیتے ہیں اور دیگر روایات کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متقدمین کی اکثریت کا لحاظ رکھتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں۔

مخالفت حدیث کی حقیقت:

سابقہ عنوانات کے تحت ہم نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہرگز حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ آپ تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی احادیث کے سچے عاشق تھے۔ بعض کم فہم لوگوں کی ہدایت کے لیے اس عنوان پر قلم اٹھانا ضروری خیال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی حدیث کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن درحقیقت اس حدیث سے جو معنی مستنبط ہوتے ہیں، ان کی اطاعت کرتا ہے تو کیا اس شخص کو کوئی الزام دینا صحیح ہے؟ اگر حضور ﷺ نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر موقع پر اس منع سے حرمت اور کراہت تحریمی مراد ہوگی یا اس سے کراہت تنزیہی اور ترکِ اولیٰ بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہری حکم کو کسی علت کی بناء پر یا کسی اور حدیث کی وجہ سے قبول نہ کرے تو کیا اسے کوئی الزام دینا جائز ہے؟

(۱) صحیح بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام کو یہ حکم دیا کہ ”تم بنو قریظہ کے پاس پہنچو اور تم عصر کی نماز بنو قریظہ کے پاس جا کر ہی پڑھنا“۔ چنانچہ راستے میں عصر کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم تو بنو قریظہ میں جا کر ہی نماز پڑھیں گے اور بعض نے کہا کہ ہم تو نماز یہیں پڑھیں گے کیونکہ ہمیں یہ تو نہیں کہا گیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں۔ انہوں نے



نماز پڑھ لی۔ جب اس کا ذکر آقا و مولیٰ ﷺ کے سامنے ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ فرمائی۔ (بخاری ج ۲، ابواب المغازی)

اب غور کیجیے کہ ایک جماعت نے تو مرادی معنی ملحوظ رکھتے ہوئے نماز عصر اس کے وقت پر پڑھ لی اور دوسری جماعت نے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور نماز عصر عشاء کے بعد بنو قریظ پہنچ کر ادا کی۔ اول الذکر گروہ زیادہ فقیہ تھا وہ دوسرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا گروہ بھی مجتہد تھا مگر وہ ایک اجر کا مستحق ہوا۔ اسکی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”اس حدیث سے جو فقہ حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی حدیث یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب والزام نہیں اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں جنہوں نے نص سے کوئی معنی استنباط کیا جو اسکو مخصوص کرتا ہو“۔ (فتح الباری ج ۱: ۶۷)

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ ظاہری الفاظ کے بجائے مستنبط شدہ معانی پر عمل کرنے والا بھی عامل بالحدیث ہی ہوتا ہے۔

(۲) صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا تو حضور ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ جا کر اسے کوڑے مارو۔ جب میں گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اسکو سزا دی تو کہیں یہ مر ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں بغیر سزا دیے واپس بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور سارا معاملہ عرض کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اَحْسَنْتُ ”تو نے اچھا کیا“۔

(صحیح مسلم جلد دوم، کتاب الحدود)

اس حدیث میں غور کیجیے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ظاہری حکم مشروط اور مقید نہ تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فقہی بصیرت اور اجتہاد دورائے سے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ کا حکم درحقیقت مشروط و مقید ہے۔ زوجگی کی حالت میں سزا دینا اس لونڈی کی ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے اسلئے انہوں نے حضور ﷺ کے ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اَحْسَنْتُ فرما کر آپ کے اس اجتہاد کی تائید و تحسین فرمائی۔

(۳) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عہد نامہ پر یہ تحریر کیا، ”یہ وہ عہد نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فریقِ ثانی سے طے کیا ہے“۔ اس پر کافروں نے اعتراض کیا اور ”رسول اللہ“ کے الفاظ مٹا کر محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھنے کا مطالبہ کیا، ”تو رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ الفاظ مٹا دیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، ”خدا کی قسم میں انکو نہیں مٹاؤں گا“۔ (صحیح مسلم ج ۲: ۱۰۵)

غور فرمائیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صریح حکم کے جواب میں حلفیہ فرماتے ہیں کہ میں یہ ہرگز نہ کروں گا۔ ظاہری الفاظ سے تو نہ جانے ان پر کیا الزام عائد ہو مگر اہل عقل و فہم اور دیدہ بصیرت رکھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جو دل عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے معمور ہو اور جو زمین پر دشمنانِ رسول ﷺ کے وجود کو مٹانے کا عزم کیے ہوئے ہو، وہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کا مقدس نام کاغذ سے مٹانا کیونکر گوارا کر سکتا ہے؟

امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں، ”حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ انکار کرنا ادبِ مستحب کے باب سے ہے کیونکہ وہ آقا کریم ﷺ کے ارشاد سے یہی سمجھے تھے کہ اس تحریر کا مٹانا خود ان پر لازم نہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی گرفت نہیں کی“۔ (شرح مسلم ج ۲: ۱۰۴)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقیہانہ بصیرت تھی جس کے باعث انہوں نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ سرکار کا یہ حکم مستحب ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حضور ﷺ کے اس حکم کا ترک ہرگز جائز نہ ہوتا۔

(۴) حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم عورتوں کو جنازے میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔ (بخاری ج ۱: ۱۷۰، مسلم ج ۱: ۳۰۴)

اسکی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”انکے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ ممانعت تنزیہی کے درجہ کی ہے یہ ممانعت تاکید اور تحریمی کے درجہ کی نہیں ہے“۔ (شرح مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی فقہی بصیرت اور اجتہاد سے اس ممانعت کا درجہ متعین کیا کہ یہ ممانعت تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ تنزیہی ہے حالانکہ حدیث میں صرف ممانعت کا حکم ہے اور تحریم و تنزیہ کی تقسیم مذکور نہیں ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے فرمائے ہوئے اوامر و نواہی کی حقیقت اور ان کا درجہ سمجھنا نہایت اہم ہے اور اسی حقیقت کو پالینے کا نام تفقہ فی الدین ہے۔

”خلفائے راشدین سے بڑھ کر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہو سکتا ہے انہوں نے کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آغازِ خلافت تک امہاتِ اولاد

یعنی وہ لوگوں یا جن سے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے جنوک کے سفر میں غیر مذہبوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران میں ۶،۱۲،۳۸ کے حساب سے شریعت مقرر کیں۔ آنحضرت ﷺ جب مال غنیمت تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا حصہ لگاتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاشموں کو کبھی حصہ نہیں دیا۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد تک تین طلاقیں ایک کبھی جاتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی کہ تین طلاقیں تین کبھی جائیں گی۔ (اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب ”خواتین اور دینی مسائل“ ملاحظہ فرمائیں) آنحضرت ﷺ کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی حد مقرر نہیں کی گئی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی حد ۴۰ دڑے مقرر کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسبب اس کے کہ انکے دور میں شراب نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا، ۴۰ سے ۸۰ دڑے کر دیے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت ﷺ کا تشریحی حکم سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے تھے؟ (ہرگز نہیں)

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رات دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیضِ صحبت کی وجہ سے شریعت کے اداساس ہو گئے تھے۔ ..... امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں ان کی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بلکہ صحابہ کو بھی موردِ انزام ٹھہراتے ہیں۔

طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں بے چارے عمر کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسول ﷺ کے مقابلے میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (سیرۃ النعمان: ۲۳۳)

اگر محض ظاہر بینوں کے اعتراضات کو دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ فلاں نے حدیث کی مخالفت کی، فلاں نے حدیث کا انکار کیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن انصاف پسند قارئین کے لیے مذکورہ بالا احادیث صحیحہ کی مثالوں سے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس میں کچھ اسرار و رموز بھی ہوتے ہیں، کہیں کوئی علت پوشیدہ ہوتی ہے تو کہیں قیود و شرائط پنہاں ہوتی ہیں، کہیں امر و وجوب کے لیے ہوتا ہے تو کہیں استحباب و اباحت کے لیے، کہیں نفی تحریم کے لیے ہوتی ہے تو کہیں تنزیہ و احتیاط کے لیے۔ چنانچہ حق یہی ہے کہ احادیث کا صحیح مفہوم سمجھنے اور ان سے مسائل کا استنباط کرنے کے لیے فقہی بصیرت اور عقل و فراست و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اہلِ رائے یا اہلِ حدیث:

جب احادیث میں تعارض ہوتا تو فقیہ صحابہ کرام علیہم السلام اپنے اجتہاد کی بناء پر ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لیے رحمت ہے۔ (الخیرات الحسان: ۳۳۰) یعنی اگر صحابہ کرام کسی فروعی مسئلے میں اختلاف نہ کرتے تو لوگوں کے لیے رخصت نہ ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ میری امت کا اختلاف باعِ رحمت ہے۔ اسکے باوجود بعض جہلاء خود کو اہل حدیث اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اہل رائے قرار دیتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ احادیث کے بجائے اپنی رائے پر عمل پیرا تھے۔ حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ اس بارے میں تفصیلی گفتگو پہلے بھی ہو چکی لیکن مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے ”الفضل الموبہی فی معنی اذا صح الحدیث فیہ مذہبی“ میں اور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے اپنی شرح بخاری کے مقدمے میں جو مدلل اور تحقیقی گفتگو کی ہے اس سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حضرات عالیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ہمیں سے لے کر پچھلے ائمہ مجتہدین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں کہ جس نے بعض احادیث صحیحہ کو مآول یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔



(۱) امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ دربارہٴ تیمم جب پر عمل نہ کیا اور فرمایا، اے عمار! اللہ سے ڈرو۔ (مسلم)

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دربارہٴ رکعات وتر پر عمل نہ کیا اور فرمایا، لیس شی من الیبت مہجورا۔ (بخاری)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوضوء مما مست النار۔ جسے آگ نے چھوا ہو، اس سے وضو ہے۔

یعنی آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بناء پر بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا:

انتوضا من الدھن انتوضا من الحمیم۔ کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ (ترمذی)

اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے بھتیجے! جب حدیثِ رسول ﷺ بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور امت کو یہ الزام دیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قیاس کی بناء پر حدیث کو ترک کر دیا؟

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی کہ جو جنازہ اٹھائے وضو کرے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هل یلزمنا الوضوء من حمل عیدان یا بسۃ۔ کیا سوکھی لکڑیاں اٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اٹھائے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی تو انہیں جواب دینا چاہئے تھا کہ میری مراد یہ ہے، اپنی بیان کردہ حدیث کو وہ زیادہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مؤاخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ معاندین احناف، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کیا کہیں گے؟

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا، پھر مر گیا۔ اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟ پائے گی تو کتنا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مہینہ تک غور و خوض کیا پھر یہ فتویٰ دیا، میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا، میں اپنی رائے بتاتا ہوں۔ اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔

اسی مجمع میں معقل بن سنان رضی اللہ عنہ موجود تھے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بدعتِ واشق کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے یہی حکم دیا تھا یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہ دیکھے گئے تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معقل رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تسلیم نہیں کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا۔

ما نصحی بقول اعرابی بو ال علی عقبہ و حسبہا المیراث ولا مہر لہا۔ اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے، اس عورت کو صرف میراث ملے گی۔ مہر اس کے لئے نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی۔ اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور یہی حضرت زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی مذہب ہے۔ اب بتائیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تینوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟

(۶) ترمذی میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر سے نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لئے مکان دلایا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابراہیم سے ذکر کی تو انھوں نے کہا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا:

لا ندع كتاب الله و سنة نبينا ﷺ بقول امرأة لا ندري احفظت ام نسيت فكان عمر جعل لها السكنى والنفقة - هم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۃ طلاق کی یہ دو آیتیں ہیں:

ولا تخرجن من بیوتہن - انھیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

سکنوہن من حیث مسکنتم - جہاں خود رہتے ہو وہیں انہیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گزارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ طلاق والی کے لئے ہیں۔ اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص فرمایا۔ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قیاس تھا کہ انھوں نے آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا۔

بولئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا تحقیق ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا سب نے سکوت کیا۔ کیا سب صحابہ کرام قیاس تھے؟۔

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے وہ ترمذی میں مذکور نہیں البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے۔ یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لئے ہو اور اسی پر مطلقہ ثلاثہ کو قیاس فرمایا جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلاثہ کے بارے میں ہی ہو تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا افتخار ہونا ہے۔ اور یہی احناف بھی کہتے ہیں کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں لیکن اب ہمیں یہ بتائیے کہ حضرت امام مالک، امام شافعی، لیث بن سعد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا۔

ترمذی میں ہے: ”بعض اہل علم نے کہا، اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے۔“  
ان تینوں ائمہ کو کس زمرہ میں داخل مانتے ہو؟۔ اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، علماء کا عمل حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے۔ اور انکے اتباع نے فرمایا، ایسی جگہ حدیث سنانا پوچھ بات ہے۔ ائمہ تابعین کی ایک جماعت کو جب دوسروں سے انکے خلاف حدیثیں پہنچتیں تو وہ فرماتے، ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر عمل اسکے خلاف پر گزر چکا۔

امام محمد بن ابی بکر بن جریر سے بارہا انکے بھائی کہتے، تم نے فلاں حدیث پر کیوں نہ حکم کیا؟ وہ فرماتے، میں نے علماء کو اس پر عمل کرتے نہ پایا۔ امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے، اہل مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے بہتر ہے۔ ان اقوال کو امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں روایت کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اب ان ائمہ تابعین کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو علماء و فقہاء کرام کے عمل کو احادیث پر ترجیح دے رہے ہیں؟ بلکہ غیر مقلدوں کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی اپنی کتاب معیار الحق میں لکھتے ہیں کہ ”بعض ائمہ کا ترک کرنا بعض احادیث کو فرع تحقیق انکی ہے کیونکہ انہوں نے ان احادیث کو قابل عمل نہیں سمجھا، بدعوے نسخ یا بدعوے ضعف اور امثال اسکے..... الخ“۔

اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ فرماتے ہیں، ”اس امثال کے بڑھانے نے کھول دیا کہ بے دعوے نسخ یا ضعف بھی ائمہ بعض احادیث کو قابل عمل نہیں سمجھتے۔ اور بیشک ایسا ہی ہے خود اسی ”معیار“ میں حدیث جلیل صحیح بخاری شریف حتیٰ مساوی الظل التلول کو بعض مقلدین شافعیہ کی ٹھیٹھ تقلید کر کے بحیلہ تاویلات بارودہ کا سدہ ساقطہ فاسدہ متروک العمل کر دیا اور عذر گناہ کے لیے بولے کہ جمعا بین الادلۃ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔ اور اسکے سوا اور بہت سی



احادیث صحاح کو محض اپنا مذہب بنانے کے لیے بدعاویٰ باطلہ عاطلہ ذالہ زائلہ بیدھڑک و اہیات و مردود بتا دیا۔ جس کی تفصیل جلیل، فقیر کے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصالحین میں مذکور ہے۔

اشعار کا مسئلہ:

احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور قربانی کے لئے مکہ معظمہ لے کر جائے جاتے ہیں جنہیں ہدی کہتے ہیں انہیں شناخت کے لئے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے یا ان کے کوبان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے اسے اشعار کہتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اشعار کو منع فرمایا۔ اس پر قیامت سر پر اٹھائی گئی حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظریں پیش کر سکتے ہیں کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی۔ مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا: لا تمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ۔ اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں داخل ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لئے فرمایا: ولیشهدن الخیر ودعوة المسلمین۔ بھلائی اور مسلمانوں کی دعاء میں حاضر ہوں۔

لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

آج عورتوں نے جو حال بنا رکھا ہے اگر نبی ﷺ دیکھتے تو انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے۔ بولے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کیا؟ جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

اشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوبان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شکاف لگا دیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتے۔ اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذا بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے اشعار کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادائیگی میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال اشعار میں بھی ہونے لگا تھا۔

اس لئے فتنہ کے سد باب کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے مکروہ بتایا۔ جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکنا حدیث کے منافی نہیں، اسی طرح اشعار میں تعدی کی بناء پر اشعار کو مکروہ کہنا، حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۰۶)

معانی حدیث کا فہم:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام اجل سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ جو امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ ہیں فرماتے ہیں، الحدیث مضلۃ الا للفقہاء۔ ”حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے سوائے مجتہدوں کے“۔

اسکی شرح میں امام ابن الحاج مکی رحمہ اللہ مدخل میں فرماتے ہیں، ”انکی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کبھی ظاہر حدیث سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں ان پر جم جاتا ہے حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے۔ یا وہاں کوئی اور دلیل ہے جس پر اس شخص کو اطلاع نہیں، یا متعدد اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ ان سب باتوں پر قدرت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو علم کا دریا بنا اور مصب اجتہاد تک پہنچا (یعنی فقیہ ہوا)۔“

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

اور یہ حدیث پاک بھی پہلے مذکور ہوئی کہ ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری حدیث سن کر اچھی طرح یاد کی اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔ کیونکہ اکثر کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر وہ اسے فہم و فقہ کی قابلیت نہیں رکھتے یعنی وہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور وہ اسے ان تک پہنچا دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ

کے فقیہ ہوتے ہیں۔“

اس حدیث کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر فقط حدیث معلوم ہو جانا فہم حکم کے لیے کافی ہوتا تو اس ارشاد اقدس کے کیا معنی تھے؟ (الفضل الموہبی: ۱۳)

ایک بار مشہور محدث و امام اعمش نے امام ابو یوسف سے ایک مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے جواب بتا دیا۔ آپ نے کہا، اسکی دلیل؟ امام ابو یوسف نے کہا، فلاں حدیث جو آپ سے روایت کی ہے۔ امام اعمش نے ہنس کر فرمایا، یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والد کی شادی بھی نہ ہوئی تھی مگر اس کے معنی مجھے آج معلوم ہوئے ہیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳: ۲۳۶)

پس معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں۔ ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے۔ دو مثالیں پیش خدمت ہیں:-

(۱) حضور اقدس ﷺ نے اخیر عمر مبارک، دورانِ خطبہ فرمایا: ”اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوری بارگاہ، اس بندے نے حضوری بارگاہ کو پسند کیا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لگے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی حدیث کہتے ہیں، ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ مختار خود حضور اقدس ﷺ تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (بخاری ج ۱: ۵۱۶)

(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو نا پسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کے صاحبزادوں کو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی بلایا اور دریافت کیا کہ سورۃ النصر سے کیا سمجھتے ہو، کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے۔ کچھ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح اور تحمید کریں، استغفار کریں، یعنی اس کا شکر کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو انہوں نے عرض کیا۔ اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قرب کی خبر دی جا رہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت و صلاحیت عطا فرمائی تھی جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر رس نظریں فہم معانی کے دقیق سے دقیق، ادق سے ادق بطون تک پہنچ جاتی جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔ ان میں جسے اللہ چاہتا وہ امام کی جلالت کو تسلیم کر لیتا ورنہ معاندانہ روش پراڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا، حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں، ان کا جاننے والا میں نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے جب ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔

ایک بار حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ، امام سلیمان اعمش رضی اللہ عنہ کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ انہوں نے امام اعظم رحمہ اللہ سے پوچھا، آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا، کہاں سے یہ کہتے ہو؟ فرمایا، آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے۔ اور پھر آپ نے ان احادیث کو مع اسناد کے بیان کر دیا۔

امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا، بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کی آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایہا الرجل اخذت بكل الطرفین۔ اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں یعنی دوائیں ہمارے پاس ہیں مگر انکا طریق استعمال تم جانتے ہو اور اے مردِ کامل! تم نے توفیق و حدیث دونوں کو حاصل کر لیا۔ (الفضل



اللہ تعالیٰ امام اعظم رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے محدثین اور فقہاء کے مراتب کے متعلق تمام مباحث کو ان چند لفظوں میں سمیٹ کے رکھ دیا ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض:

”حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جلالتِ شان گھٹانے کے لیے ایک جاہلانہ سوال بہت اچھالا جاتا ہے۔ آجکل کے غیر مقلدین اسے بطور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلد طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے بآں جلالتِ شان کہیں کہیں لغوی، صرفی لغزش ہو گئی ہے، جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کر دیا ہے بس کیا تھا بھڑکے جھٹتے میں لکڑی چلی گئی !!! ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک خفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت خدا ترسی سب کو بالائے طاق رکھ کر امام اعظم رضی اللہ عنہ پر لعن طعن سب و شتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے۔ یہ تو ان سے ہونہ سکا، کیا یہ کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قول ڈھونڈ نکالا جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔

قصہ یہ ہے کہ ابو عمرو و علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قتل بالمقتل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا، نہیں۔ اس پر ابو عمرو نے کہا اگر وہ مخنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں؟ فرمایا، لو قتله بابا قیس۔ اگر چہ (پہاڑ) ابی قیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابو قیس پر ’با‘ حرف جار داخل ہے اس لیے اس کو یاء کے ساتھ ”باسی قیس“ ہونا چاہیے تھا۔ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔

بخاری قتل ابی جہل میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا، انت ابا جہل۔ جو روایت بطریق محمد بن شعیبہ اس میں معتمد روایت یہی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے، حالانکہ ہونا چاہیے ابوجہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ ”بابا قیس“ غلط ہے اور نہ ”انت ابا جہل“ غلط۔ اسمائے مکمرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ ”جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا۔“

چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے،

ان اباہا و ابا اباہا      قد بلغا فی المجد غایتاھا

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے مکمرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں ”یا“ کے ساتھ اور حالت رفع میں ”واؤ“ کے ساتھ اس لئے ”انت ابا جہل“ اور ”لو قتله بابا قیس“ غلط ہے۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۱)

☆☆☆☆

باب یازدہم (۱۱)

امام اعظم کے اساتذہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے علم فقہ کے حصول کے لیے حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس سے وابستگی اختیار کی۔ اس دوران آپ علم حدیث کے حصول کے لیے دنیائے اسلام کے نامور محدثین کرام کی خدمت میں حاضری دیتے رہے کیونکہ فقہی مسائل کی مجتہدانہ تحقیق کے لیے علم حدیث کی

تحصیل تکمیل از حد ضروری تھی۔

امام ابو حفص کبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے زمانے میں یہ اختلاف ہوا کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی میں سے کون افضل ہے؟ (رضی اللہ عنہما) یہ طے ہوا کہ دونوں کے مشائخ و اساتذہ شمار کر لیے جائیں، جس کے مشائخ زیادہ ہوں وہ افضل ہے۔ چنانچہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اسی (۸۰) شمار ہوئے جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔ (مناقب للموفق: ۶۳)

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ چار ہزار شیوخ تابعین میں سے تھے۔ اب آپ خود سوچیے کہ انکے سوا اور کتنے ہونگے۔ (الخیرات الحسان: ۸۳)

علامہ موفق رحمہ اللہ نے اسی باب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے 244 اساتذہ کرام کے نام تحریر کیے ہیں جبکہ علامہ محمد بن یوسف شافعی رحمہ اللہ نے عقود الجمان میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے 324 مشائخ کے نام لکھے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ نے آپ کے مشائخ میں تابعین و تبع تابعین سے 74 حضرات کے نام لکھے ہیں جن سے آپ نے احادیث روایت کی ہیں جبکہ سات صحابہ کرام کے نام تحریر کیے ہیں۔ (تہذیب الصغیر: ۱۳)

آپ کے معروف اساتذہ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہما کا ذکر ہم اگلے عنوان ”فقہ حنفی کا سلسلہ“ کے تحت کریں گے۔ یہاں ہم آپ کے بعض نامور اساتذہ کرام کا مختصر ذکر کرتے ہیں:-

امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہما:

آپ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے پوتے ہیں۔ آپ نے اپنے والد امام زین العابدین، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے حدیث سماع فرمائی۔ آپ کو وسیع العلم اور کثیر الحدیث ہونے کی وجہ سے باقر العلوم کہا جاتا تھا۔ آپ کے فقیہ اور محدث ہونے پر امام نسائی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر محدثین نے گواہی دی۔ آپ کو سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے، ”میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے ہیں اور اہلبیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے اہلبیت میں سے ہر کسی کو ان سے محبت کرتے ہوئے پایا ہے۔“

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہم سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ایک بار انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابو حنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا، ”ابو حنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی و روحانی علوم کے ذخائر ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۱۹۲)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”ان (ابو حنیفہ) کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور انکی فقہ کتنی زیادہ ہے۔“ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت لی ہے کہ امام باقر محمد بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پاس گئے۔ اور جنازے پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا، کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ میں اسکا نامہ اعمال لیکر اللہ کے پاس جاؤں سوائے اس چادر پوش کے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامہ اعمال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخر تھا)۔“ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۹۵)

۱۱۸ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی آپ سے پہلی ملاقات کے وقت کی گفتگو بہت مشہور ہے جو کہ پہلے مذکور ہو چکی۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:

آپ امام باقر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں امام اعظم کے علاوہ امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید، ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم کئی اکابر محدثین شامل ہیں۔ آپ بیحد متقی اور مستجاب الدعوات تھے۔ بلا وضو کبھی حدیث روایت نہ کرتے۔ ایک بار امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے چند مسائل پر گفتگو ہوئی تو فرمایا، ”یہ شخص بڑا عالم و فاضل اور فقیہ ہے۔“ ۱۳۸ھ میں آپ کا



وصال ہوا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اپنے بالکل قریب بٹھالیا۔ میں نے عرض کی، آپ کا حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا نظریہ ہے؟ کیونکہ بعض لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ ان سے بیزارى کا اظہار کرتے ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ اے ابو حنیفہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سید الانبیاء اور انکی نانی سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں اور انکے بھائی حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کے اہل نہ ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کبھی اس پر راضی نہ ہوتے۔ (ایضاً: ۴۱۶)

علماء نے فرمایا ہے کہ جسطرح حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ طریقت میں حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں اسی طرح آپ امام اعظم کے بھی مجاز اور خلیفہ ہیں۔ اور اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی طریقت میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے سلوک و طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں پھر فرمایا ہے، لَوْلَا السَّنَانُ لَهْلَكَ النُّعْمَانُ - ”اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔“ (مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم: ۴۱)

امام قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں۔ علم و عمل میں تمام اہل مدینہ سے افضل مانے جاتے تھے۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قاسم بن محمد سے زیادہ ہم نے کسی کو افضل نہ پایا۔ آپ حدیث میں اپنے والد محمد بن ابو بکر، اپنی پھوپھی حضرت عائشہ، عبد اللہ بن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابو ہریرہ، امیر معاویہ وغیرہ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام شععی، سالم بن عبد اللہ، امام زہری، امام اعظم اور دیگر سینکڑوں تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ زیادہ وقت خاموش رہتے اور احادیث کی روایت کم کرتے۔ اکثر وقت عبادت الہی میں گزارتے۔ آپ کا وصال ۱۰۱ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔

حضرت امام شععی رضی اللہ عنہ:

امام شععی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے پانچ سو صحابہ کرام کا دیدار کیا۔ یہی وہ بزرگ ہستی ہیں جنہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو علم دین کے حصول کی طرف راغب کیا تھا۔

علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بار آپ کو مغازی کا درس دیتے سنا تو فرمایا، ”واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے۔“

امام زہری فرماتے تھے، ”عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں سعید بن مسیب، بصرہ میں حسن بصری، شام میں مکحول اور کوفہ میں شععی۔“ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور مفتی تھے۔ امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امام شععی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا فرمان عالیشان ہے، ”میں سال ہو چکے ہیں کہ کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔“ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱: ۲۰۰)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام شععی رضی اللہ عنہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے استاد تھے۔ آپ کا وصال ۱۰۳ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔

حضرت ابو اسحاق سلیمی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، براء بن عازب، زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ بعض کے بقول اٹھائیس (۲۸) صحابہ کرام سے آپ کو بالمشافہ روایت کا شرف حاصل ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ابو اسحاق رضی اللہ عنہ کے شیوخ شمار کیے تو تین سو (۳۰۰) شمار ہوئے جن میں اتنی (۸۰)

صحابہ کرام شامل ہیں۔ آپ کا وصال ۱۲۹ھ میں ہوا۔

امام شعبہ بن الحجاج رضی اللہ عنہ:

علم حدیث میں آپ کا لقب ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ ہے۔ آپ کو دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ”اگر امام شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی حدیث کا پہچاننے والا نہ ہوتا۔“

آپ کو اپنے شاگرد رشید امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ ان کی بڑی تعریف کیا کرتے۔ ایک بار انکے ذکر پر فرمایا، ”جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح مجھے یقین ہے کہ علم اور ابو حنیفہ ساتھی اور ہم نشین ہیں۔“

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا، ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہیں امام شعبہ رحمہ اللہ نے حدیث و روایت کی اجازت دی ہے اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔“

عراق میں یہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے۔ ۱۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ:

آپ نہایت مشہور تابعی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں سب سے وسیع حلقہ درس آپ ہی کا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے دو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔ علم حدیث میں آپ کو ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ مجتہدین صحابہ نے آپ کے علم و فضل کی تعریف کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔

امام اوزاعی، امام زہری وغیرہ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ جب بھی مکہ مکرمہ جاتے، انکے درس میں ضرور شریک ہوتے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت کی وجہ سے آپ دوسروں کو ہٹا کر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو سب سے آگے اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔ ۱۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد تھے۔ انکے علاوہ آپ حضرت علی، ابو ہریرہ، ابن عمر اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی تعلیم و تربیت کر کے اپنی حیات میں ہی آپ کو اجتہاد اور فتویٰ کی اجازت دی۔ تقریباً ستر (۷۰) مشہور تابعین تفسیر و حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، دنیا میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ فرمایا، ہاں، عکرمہ رحمہ اللہ۔ امام شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، قرآن جاننے والا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر میں نے نہیں دیکھا۔ ۷۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور محدث اور تابعی ہیں۔ حضرت جندب بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی اوفی، ابوالطفیل اور بہت سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے تھے، ”سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ ارکان میں سے ایک رکن ہیں۔“

ابن سعد نے انہیں ”کثیر الحدیث“ تحریر کیا ہے۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ ”کوفہ میں چار لوگ سب سے زیادہ صحیح الروایت تھے۔ منصور بن معتمر، عمرو بن مرہ، ابو حصین اور سلمہ بن کہیل۔“ رضی اللہ عنہم

حضرت محارب بن وثار رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت جابر، عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ، دارقطنی، ابو حاتم اور امام نسائی وغیرہ نے آپ کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجت ہیں۔



آپ نہایت متقی پرہیزگار تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں نے محارب بن وثار رحمہ اللہ سے زیادہ عابد و زاہد کوئی نہ دیکھا۔ آپ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے۔ ۱۱۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ:

آپ عظیم محدث اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ بے پناہ قوتِ حافظہ کے مالک تھے اس لیے احادیث من و عن سنانے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت انس، حضرت ابوالطفیل اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔

آپ فرماتے تھے، ”جو بات میرے کان میں پڑتی ہے اسے میرا دل محفوظ کر لیتا ہے“۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ ۱۰۷ھ میں وصال ہوا۔

حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ:

آپ جلیل القدر تابعی اور محدث ہیں اور حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ”مجھے اسی (۸۰) صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہے“۔ آپ سے دو سو (۲۰۰) حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی“۔ آپ جابر بن سمرہ، نعمان بن بشیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۲۳ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ:

آپ معروف محدث اور تابعی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ نے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ، ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

محدث ابو حاتم رحمہ اللہ نے آپ کو امام الحدیث قرار دیا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام مالک، امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت سلیمان بن مہران رضی اللہ عنہ:

آپ امام اعمش کے نام سے مشہور ہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ آپ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم، سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ نے عمر بھر کسی امیر یا بادشاہ کا نذرانہ قبول نہ کیا۔ ۱۳۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

آپ بھی مشہور تابعی اور عظیم محدث ہیں۔ آپ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ آپ حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ زہد و تقویٰ کا پیکر تھے۔ آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ:

آپ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں۔ مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء میں علم و فضل کے اعتبار سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ آپ تابعین کرام کی جماعت میں نہایت عابد و زاہد اور کامل فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ ۱۰۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں اور مدینہ منورہ کے نامور فقہاء میں سے ہیں۔ آپ نے اپنے والد گرامی اور حضرت ابو ہریرہ و ابورافع وغیرہ رضی اللہ عنہم سے دینی علم حاصل کیا۔ تابعین کی جماعت میں علم و فضل کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ

اپنے زمانے کے صلحاء و عابدین میں بے مثال اور زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں بے نظیر تھے۔ ۱۰۶ھ میں وصال ہوا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں فقہائے مدینہ سے اکتسابِ علم کیا اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

فقہ حنفی کا سلسلہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جب پہلی بار عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں آئے تو مشہور عابد و زاہد عیسیٰ بن موسیٰ رحمہ اللہ نے خلیفہ سے کہا، یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا، آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟

آپ نے فرمایا، ”میں نے حضرت عمر کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا عمر سے، اور میں نے حضرت علی کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا علی سے، نیز میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اصحاب سے اور انہوں نے سیدنا ابن مسعود سے۔“ (رضی اللہ عنہم اجمعین) خلیفہ نے کہا، علم تو بہت پختہ حاصل کیا ہے۔ (الخیرات الحسان: ۱۸)

مشہور فقیہ و محدث امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سٹ کر ان چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتسابِ فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم پر ختم ہو گیا۔“ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۳)

گویا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کے علم کا خزانہ دار اور محافظ کہا جاسکتا ہے۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے عظیم محدث و فقیہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۲۹۹)

آپ کے خاص شاگردوں میں حضرت علقمہ، حضرت اسود، قاضی شریح، امام مسروق اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم زیادہ مشہور ہوئے۔ پس فقہ حنفی کا سلسلہ یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے امام حماد سے، انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ و اسود سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کیا۔ اب ہم اس سلسلے کے جلیل القدر ائمہ کرام کے بارے میں مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ اسلام قبول کرنے والے چھٹے شخص ہیں۔ بارگاہِ نبوی میں آپ کے خصوصی مقام کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے آپ سے یہ فرمایا، ”تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، پردہ اٹھا کر اندر آ جاؤ اور ہماری خاص باتیں سنو جب تک کہ میں تم کو روکوں۔“

آپ رسول کریم ﷺ کے خاص خادم اور رازدار صحابی تھے۔ آپ صحابہ کرام میں ”صاحبُ العلین والسواک والسوا“ کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے ذمہ یہ خدمتیں تھیں مثلاً آقا کریم ﷺ کی نعلین پاک اٹھانا، مسواک ساتھ رکھنا، آپ کے آگے چلنا، وضو کے لیے پانی فراہم کرنا، سفر میں بستر مبارک اٹھانا، خواب سے بیدار کرنا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۴)

حضرت ابو وائل بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حلقوں میں بیٹھا ہوں، میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات سے انکار کرتے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی صحابی نے آپ کا رد کیا۔ (ایضاً: ۱۰۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ ”تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں۔“ آپ کے اس دعویٰ کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم اپنے دنیوی امور کے لیے اس ہستی کو پسند کرتے ہیں جسکو ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے ہمارے دینی کام کے لیے پسند کیا۔ یعنی حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی طاہری



حیات مبارکہ میں نماز پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا (اس لیے وہی ہمارے خلیفہ ہو گئے)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کو صحابہ نے تسلیم کیا۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پہلا اجتہاد تھا۔ (ایضاً: ۱۰۶)

نبی کریم ﷺ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ ”تم ابن مسعود کے حکم کو مضبوط پکڑے رہو“۔ (ترمذی) ایک اور حدیث پاک میں آقا و مولیٰ ﷺ نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا، ان میں سب سے پہلے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (مشکوٰۃ)

یہ وہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، ”یہ ایک تھیلا ہیں علم سے بھرا ہوا“۔ اور نہایت یہ کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا، ”میں نے اپنی امت کے لیے وہ پسند فرمایا جو کچھ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لیے پسند کریں“۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵: ۳۱۱ بحوالہ مستدرک للحاکم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، ایسے شخص کے بارے میں بتائیے جو صورت و سیرت میں نبی کریم ﷺ سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے کچھ سیکھیں۔ فرمایا، میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے قریب ہو۔ (بخاری کتاب المناقب، باب عبد اللہ بن مسعود)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھ کر جو اس میں حلال تھا اس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اس کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ ہیں اور سنت کے عالم“۔ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے، رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہمارے استاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا۔ (امام ابو حنیفہ اور ان کے ناقدین: ۶۶)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علوم مصطفیٰ ﷺ کے مرجع اخیر اور فقہ کے مرجع کل ہیں اور آپ پہلے صحابی ہیں جو باقاعدہ طور پر فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ سے کثیر صحابہ اور تابعین احادیث روایت کرتے ہیں جن میں ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ۲۰ ہا ۳۰ ہ کوفہ میں مقیم رہے۔ ۳۲ ہ میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ، محدث علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلفاء اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اسی لیے ہمارے امام اعظم ان کی روایت و قول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵: ۳۱۲ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، ”علقمہ کا علم میرے علم سے کم نہیں ہے“۔

امام یافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا علم و فضل اس قدر تھا کہ ان سے صحابہ کرام بھی فتوے لیا کرتے تھے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آئینے کہلائے۔ یہ دونوں حضرات کامل طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے احوال سے متصف تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۶۲ ہ میں ہوا۔ آپ کے وصال کی خبر سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”آج علم کا سر پرست فوت ہو گیا“۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۴)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ جب میں ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو ان کی سیرت و عادات دیکھنے والا ہر کوئی یہ کہتا کہ ان کی خصلت و سیرت عین حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا وہ کہتا، انکی عادات و سیرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت دیکھتا تو وہ یہ کہتا، یہ تو بعینہ رسول اللہ ﷺ کی

عادات و سیرت ہے۔ (مسند امام اعظم: ۳۱۰)

خوش نصیبی دیکھیے کہ یہ خود تابعی و فقیہ و محدث، ان کے دو بھتیجے اسود اور عبدالرحمن بلند پایہ تابعی فقیہ و محدث، اور ایک نواسہ ابراہیم نخعی تابعی فقیہ و محدث۔ یعنی ایک گھر میں چار تابعی اور عالی قدر محدث و فقیہ۔ سبحان اللہ! آپ کا وصال ۶۲ھ یا ۷۴ھ میں ہوا۔

حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ صاحب علم و فضل اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کثرت سے نوافل پڑھتے اور سارا سال روزے رکھتے۔ آپ نے اسی حج اور عمرے کیے۔ کوفہ میں آپ کی عبادات و کرامات اس قدر مشہور ہوئیں کہ لوگ آپ کو ”اسود جنتی“ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ۷۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خشک سالی ہوئی تو انہوں نے حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑ کر کہا، الہی! ہم اپنے میں سب سے اچھے افضل شخص اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں۔ اور پھر آپ سے بھی دعا کا کہا۔ چنانچہ آپ نے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو اسی وقت بارش ہو گئی۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا، مجھ سے زیادہ رونے کا حقدار اور کون ہے؟ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے مجھے بخش دے تو بھی مجھے اپنے مولیٰ سے شرمندگی رہے گی۔ دیکھو کوئی شخص معمولی خطا کرتا ہے اور جس کی خطا کی ہو وہ اسکو معاف بھی کر دیتا ہے پھر بھی وہ ہمیشہ اس شخص سے شرمندہ رہتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہ میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ”خدا کی قسم! میری کیا بساط ہے جو دونوں کا موازنہ کروں، میرا کام یہ ہے کہ انکے لیے دعا کروں۔“

(اولیاء رجال الحدیث: ۳۷، سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۳)

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ عراق کے نامور فقیہ اور علم الحدیث کے امام ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کئی صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ اکثر صحابہ کرام سے بطریق ارسال اور تابعین میں سے حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت علقمہ بن قیس آپ کے ماموں جبکہ حضرت اسود بن یزید آپ کے ماموں زاد بھائی تھے اور یہ دونوں حضرات ابن مسعود کے خصوصی اصحاب میں سے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ کا لقب ”صیر فی الحدیث“ تھا یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ”محدثین تو بہت ہیں مگر حدیث کو پرکھنے والا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں۔“ آپ کا وصال ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوا۔

جب آپ کا وصال ہوا تو امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حدیث و فقہ کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چلا گیا۔ کسی نے کہا، کیا وہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ عالم تھے؟ فرمایا، صرف حسن بصری رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں بلکہ وہ پورے عراق و شام و حجاز میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۴۰، سوانح امام اعظم: ۱۰۰)

امام حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ:

آپ کوفہ کے عظیم فقیہ، جلیل القدر محدث اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، زید بن وہب، ابو وائل اور امام شعبی وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے فقہاء و محدثین کے مایہ ناز شاگرد ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے تمام علوم کے وارث اور جانشین ہیں۔



امام مسلم اور اصحاب سنن نے آپ کی مرویات لکھی ہیں۔ حدیث شریف روایت کرتے وقت آپ پر حال طاری ہو جاتا، بعض اوقات آپ پر بخود ہی کا غلبہ ہو جاتا۔ امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام بخاری اور ابن حبان وغیرہ بڑے بڑے نقاد حدیث اماموں نے آپ کو کثیر الحدیث، ثقہ اور فقیہ تحریر کیا ہے۔

آپ کے شاگردوں میں امام ابو حنیفہ، امام اعظم، سفیان ثوری، امام شعبہ، امام عاصم احول وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ ۱۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۹۷)

☆☆☆☆

## باب دوازدہم (12)

فقہ کی ضرورت:

”انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادت کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحاظ لحاظ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔

آپ صرف عبادات ہی کو لیجئے اسکے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معنی و مطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ما علیہ یاد رکھے، تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو۔ جس کا صریح حکم سورۃ التوبہ کی آیت ۱۲۲ میں موجود ہے، کہ فرمایا:

لَتَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ ”ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔“

رہ گئے عوام تو انہیں یہ حکم ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

”علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔“ (النحل: ۴۳)

عوام کو اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عز و جل اور رسول ﷺ کے بعد علماء کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے۔ اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتادینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عز و جل نے یہ صلاحیت اور استطاعت دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی اور مطالب سے کما حقہ واقف ہیں اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں، جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے، وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں متحج احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے امام الامۃ، سراج الامۃ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا۔ اور آپ نے اپنی پوری خداداد صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرمادیا جسکے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جب کہ وہ دور شروع ہو چکا تھا کہ سینکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بد مذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے

تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔“ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۰)

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ کے قسم عبادات کے مقدمہ میں لکھا ہے، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام حماد رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا، انہوں نے ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے علم سیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا میلان رائے سے اجتہاد کی طرف تھا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو کوفہ بھیجا تو وہاں انکے خیال کو تقویت ملی اور انکے میلان رائے میں اضافہ ہوا کیونکہ عراق میں بہت سے ایسے مسائل پیش آئے جن سے مدینہ منورہ کے قیام میں سابقہ نہیں پڑا تھا۔ روز روز نئی جزئیات پیش آتی تھیں لہذا سروری ہوا کہ ان پیش آمدہ مسائل کو قواعد شرعیہ پر پیش کیا جائے اور اسکے حکم کے مطابق ان کا جو حکم ہو، استنباط کیا جائے۔“ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۹)

فقہ کی ابتدا:

”شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے، نماز کا بھی یہی حال تھا، یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت ﷺ سے استفتاء کرتے اور آنحضرت ﷺ جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اس پر تحسین کی یا اس سے نارضا مندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتوے عام جمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت ﷺ کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں؟ کتنے مسنون اور مستحب؟ اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جاسکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی آراء کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلاف آراء ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کرام کی مختلف آراء قائم ہوئیں۔

بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں انکا عین و اثر بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل الظہر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصولوں کے طریقے یکساں نہ تھے اس لیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانے میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے۔“ (سیرۃ النعمان: ۲۱۹)

مجتہد صحابہ کرام اپنے فتاویٰ اور اجتہادات کو جمع نہیں کرتے تھے لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیش نظر تابعین کے دور میں علماء و فقہاء نے احادیث نبوی اور فقہ و فتاویٰ کی تدوین کا کام شروع کیا۔ شیخ ابو زہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

”مدینہ کے فقہاء حضرت عائشہ، ابن عمر، ابن عباس اور انکے بعد کے تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے، وہ انکو دوسرے مسائل کے لیے مبنی قرار دیتے تھے۔ عراق کے فقہاء ابن مسعود اور حضرت علی کے فتاویٰ اور قاضی شریح وغیرہ دیگر قاضیوں کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعہ میں جمع کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کے استاد امام حماد کا بھی ایک مجموعہ تھا تاہم یہ مجموعے کتابوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ انکی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی کہ مجتہد ضرورت کے وقت اسکی طرف رجوع کرتا تھا۔“ (حیات امام ابو حنیفہ: ۳۳۸) رضی اللہ عنہما

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسائل کے استنباط کے قواعد وضع کیے جس کی وجہ سے فقہ، جو ابتدا میں جزئیات مسائل کا نام تھا، ایک مستقل فن بن گیا۔ بعد میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ نے مرتب، منظم اور کتابی شکل میں علم فقہ کی اشاعت کی۔



اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے۔ حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔ اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط و متیقظ سہی مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو، نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں۔ اس لئے جو درجہ دو اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی۔ اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔ اگرچہ راوی قوی الحافظ، صدوق، ثقہ، تام الضبط، وغیرہ جامع شرائط ہو۔

اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجہ کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجہ کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں۔ اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔ مامور بہ، منہی عنہ، مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں۔ فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب۔ منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لئے کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن و احادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قرأت، رکوع، سجود کا حکم ہے احادیث میں ان کی تفصیل ہے۔

مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورۃ فاتحہ ہو۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورۃ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ:

لا صلوة الا بفاتحة الكتاب۔ اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو باعتبار معنی حدیث شریعت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے نماز نہیں ہوگی۔ فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرأت فرض اور خاص سورۃ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ واجب۔

اگر (معاذ اللہ) احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہیں لہذا متروک العمل ہیں، اسی لئے احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہور ہے کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے فقہاء و نہ بدرجہ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے؟ نہیں لیکن عناد کا کوئی

علاج نہیں۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۴)

فقہ حنفی کی بنیاد:

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلامی قانون کے دو مستقل، غیر تبدیل پذیر ماخذ یعنی قرآن

وحدیث مکمل ہو جاتے ہیں۔ قانونی نکتہ نظر سے جب کوئی نئی گتھی پیدا ہوتی تو اسے سلجھانے کے لیے مسلمان سب سے پہلے قرآن اور پھر حدیث سے رجوع کرتے اور اگر ان دونوں میں کوئی حل نہ ملتا تو پیغمبر کے عطا کردہ عظیم الشان اصول یعنی اجتہاد پر عمل کرتے۔ یہ اصول بعد میں مسلمانوں کے بہت کام آیا ورنہ اسلامی قانون منجمد ہو جاتا اور مسلمان اسے ناکافی پا کر شاید غیر اسلامی قوانین اختیار کر لینے پر مجبور ہو جاتے۔ اجتہاد کے ذریعے سے ہر نئی چیز کے بارے میں قانون بنانے کا موقع مل گیا۔“ (خطبات بہاولپور: ۸۱)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ کوفہ میں گزارا اور درس و تدریس کے ذریعہ اپنے کئی شاگردوں کو حدیث و فقہ کا ماہر بنادیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی مدت خلافت میں کوفہ ہی میں مقیم رہے اور آپ نے بھی کئی طالبان علم کو فیضیاب کیا۔ ان دونوں صحابہ کی وجہ سے ہی کوفہ کو ”فقہ کا دارالعلوم“ کہا گیا۔

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قانون میں خاص ملکہ حاصل تھا اس لیے انکے درس میں قانونی مباحث اور فقہیانہ عناصر ہمیشہ زیادہ ہوتے تھے۔ (خطبات بہاولپور: ۸۳)

چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اجتہاد و فتوے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے متاثر تھے اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوفہ میں فقہ کی اساس حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے منقول فتاویٰ تھے جو آگے چل کر فقہ حنفی کی بنیاد بنے۔ ان فقہاء صحابہ کی تعلیمات کو حضرت علقمہ، حضرت اسود اور قاضی شریح وغیرہ نے کوفہ میں خوب پھیلا یا پھر ان سے حضرت ابراہیم نخعی نے اکتساب علم و فضل کر کے تمام علم حضرت حماد کو منتقل کیا جو امام اعظم ابو حنیفہ کے استاد تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے ان تین اکابر صحابہ کی فقہ نقل کر کے حضرت حماد رضی اللہ عنہ تک پہنچائی پھر یہ فقہی ورثہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تو کوئی وجہ نہیں کہ امام نخعی رضی اللہ عنہ نے فقہ حدیث میں انکے طرز فکر اور نقل روایت میں انکی شدید احتیاط کو امام حماد رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچایا ہو۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث روایت کرتے وقت ان پر کچلی طاری ہو جاتی تھی مبادا وہ ایسی چیز بیان کر دیں جو حضور ﷺ نے نہ فرمائی ہو مگر اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں انھیں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو قلدت روایت کی تلقین کرتے تھے مبادا وہ حدیث رسول ﷺ میں دروغ گوئی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ثقہ راوی بھی حدیث بیان کرتا تو اسے حلف دلاتے اور اس طرح انکی روایت کا تزکیہ کرتے۔“ (حیات امام ابو حنیفہ: ۵۰۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت میں ارسال کے عادی تھے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے سے ڈرتے تھے۔ قال رسول اللہ ﷺ کہنے پر قال الصحابی کہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ سے کہا جاتا، کیا آپ کوئی حدیث نبوی بیان نہیں کر سکتے؟ تو فرماتے، ”حدیث تو بیان کر سکتا ہوں مگر میں قال عمر، قال عبداللہ، قال علقمہ، قال اسود کہنے کو آسان تر اور پسندیدہ خیال کرتا ہوں۔“

بعض دفعہ آپ الفاظ حدیث روایت کرنے کے بجائے حدیث کا مفہوم خود اپنی طرف سے بیان کر دیا کرتے تھے۔ (ایضاً: ۳۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ سے شریعت اخذ کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے رائج تھے۔

اول: ظاہری طریقہ یعنی اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرنا (متواتر ہو یا غیر متواتر)۔ (بطریق ظاہر)

دوم: حضور ﷺ کے اقوال و افعال و تقریر سے جو مسئلہ سمجھنا، اسے آپ ﷺ کی طرف انتساب کیے بغیر بیان کرنا۔ (بطریق دلالت)

اول الذکر طریقے سے احادیث بیان کرنے میں صحابہ بیحد احتیاط کرتے بلکہ دوسروں کو بھی منع فرماتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کثرت روایت سے منع فرمایا۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا روایات میں احتیاط کرنا اوپر مذکور ہوا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے

بچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے۔“ (سیرۃ العمان: ۸۷ بحوالہ مناقب الشافعی)



سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ظاہری طریقے سے احادیث بیان کرنے کے بجائے مسائل کے استنباط کے لیے اجتہاد کرتے تھے چنانچہ آپ عہد نبوی ہی میں فقیہ اور مفتی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تمہیں کوئی چیز معلوم کرنا ہو تو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک ماہر قانون تھے اور صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو ہر چھوٹی چیز کے متعلق زحمت دینے کے بجائے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور ان سے پوچھ لیتے۔ انہیں ایک طرح اجازت تھی کہ وہ چھوٹے موٹے مسائل میں فتویٰ دیں۔ (خطبات بہاولپور: ۷۹)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ (فقہ الفقہ: ۳۴ بحوالہ ترمذی)

یہ اکابر صحابہ کرام حدیث کی روایت موخر الذکر طریقے سے کیا کرتے یعنی جو کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو اس پر قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات جو فقہ حنفی کے نام سے جانی جاتی ہیں، دراصل مذکورہ جید صحابہ کرام کی فقہ یا بالفاظ دیگر محمدی فقہ ہے۔

مذہب حنفی کے اصول:

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ علماء کی اس بات سے کہ ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اہل رائے ہیں“ کوئی یہ نہ سمجھے کہ علماء نے انکی توہین کی ہے اور نہ ہی یہ سمجھے کہ یہ حضرات اپنی رائے کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات متعدد طریقوں سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ سب سے پہلے قرآن مجید سے راہنمائی لیتے ہیں اگر قرآن میں حکم نہیں ملے تو سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر سنت میں نہ ملے تو صحابہ کرام کا قول لیتے ہیں اور اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہو اور اگر صحابہ کا قول نہیں ملتا تو پھر آپ تابعین کے قول کے پابند نہیں رہتے بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے تابعین اجتہاد کرتے ہیں۔“ (الخیرات الحسان ص ۹۴)

محدث علی قاری رحمہ اللہ نے بھی آپ کے اصحاب رائے ہونے کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ ”ان کو اصحاب رائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ انکی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے۔“ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ انہیں اس لیے اہل رائے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل و دانائی سے حدیث کے مشکل معانی سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ امام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳۶ھ) جو ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور تھے، انکی وجہ تسمیہ کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”وہ امام، حافظ الحدیث، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے ماہر تھے، اسی وجہ سے انہیں ربیعۃ الرائے کہا گیا ہے۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۳۸)

اسی طرح امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری و دیگر مجتہدین حضرات بھی صاحب الرائے ہیں لیکن فقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے میں جو بلند مقام امام اعظم اور آپ کے اصحاب کو ملا، وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”اگر حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت ہو تو امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ ان سب میں فقہ کی تک پہنچنے والے ہیں اور ان تینوں میں بڑے فقیہ ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۱۰۴)

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث سے فتویٰ دیتا ہوں۔“

آپ نے ان سے یہ بھی روایت کیا کہ ”کتاب اللہ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو بھی اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور سنت رسول ﷺ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام کے اجماع کے ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں

ہے البتہ جس مسئلے میں صحابہ کا اختلاف ہوا ہے تو ہم ان کے اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہو اور جو ان کے علاوہ ہے اس میں اجتہاد کیا جاتا ہے اور اپنی رائے سے اجتہاد وہ شخص کر سکتا ہے جس کو اختلاف کا صحیح علم ہو اور وہ قیاس کے اصول و ضوابط جانتا ہو۔ (الخیرات الحسان: ۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب حنفی کی بنیاد و اساس دین کے چار معروف اصول یعنی کتاب و سنت اور اجماع و قیاس ہیں۔ ان چاروں اصولوں کے حجت ہونے پر احادیث پہلے ہی پیش کی جا چکی ہیں۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی سے قیاس کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ کر کہا، قیاس کو چھوڑ دو کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا، تم نے ٹھیک بات نہیں کی کیونکہ ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا۔ اس لیے وہ کافر ہوا جبکہ ہمارا قیاس تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کے لیے ہے کیونکہ ہم قیاس کے ذریعے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب، اسکے رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ و تابعین کرام کے اقوال کی طرف لے جا رہے ہیں اور اتباع کے ارد گرد ہی رہتے ہیں تو ہم کس طرح ابلیس ملعون کے مساوی ہو سکتے ہیں؟

یہ سن کر اس شخص نے کہا، ”مجھ سے غلطی ہوئی میں توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو نور کرے۔ جسطرح آپ نے میرے دل کو نور کیا۔“ (الخیرات الحسان: ۹۷)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ قرآن و سنت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ اگر قرآن و سنت میں حکم نہ ملے تو وہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال کو مشعل راہ بناتے ہیں اور اگر ان ذرائع سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر قرآن و سنت کی روشنی میں قیاس کرتے ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۱۱۸)

ولی کامل حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی گواہی بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کا ارشاد ہے، ”اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جاتی تو امام اعظم رحمہ اللہ اسکی اتباع کرتے اور اگر صحابہ کرام و تابعین عظام سے اسکا حکم ملتا تو انکی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور بہترین قیاس کرتے۔“ (الخیرات الحسان: ۹۵)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، ”تم یہ نہ کہا کرو کہ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا کرو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔“ (ذیل الجواہر ج ۲: ۴۶۰)

آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے، ”حدیث و اثر کا سیکھنا بیشک ضروری ہے مگر اسکی تشریح اور وضاحت کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل و فہم کی ضرورت ہے تاکہ حدیث کی تفسیر اور اسکا مفہوم سمجھا جاسکے۔“ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز قیاس و رائے کو اختیار نہ کرتے تھے۔ اور جب آپ قیاس و اجتہاد کرتے تو اسکی بنیاد قرآن و سنت اور اجماع صحابہ پر قائم ہوتی، اس لیے امت کی اکثریت اسکی تعریف اور پیروی کرتی۔ اسکے باوجود آپکی انکساری اور وسعت نظری کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے ہیں،

”یہ ہمارا قیاس و اجتہاد ہے۔ ہم اس پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ لے آئے ہم اسکو قبول کرنے کو تیار ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۹۸)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ابتدا میں یہ گمان تھا کہ آپ قیاس کو احادیث پر مقدم رکھتے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شمرانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”ایک دن جامع مسجد کوفہ میں سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور دوسرے علماء رضی اللہ عنہم آئے اور انہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں بکثرت قیاس کرتے ہیں۔ آپ نے ان علماء سے گفتگو شروع کی اور ظہر تک یہ گفتگو جاری رہی۔“

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا مذہب یہ بیان کیا، ”میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت نبوی پر اور پھر صحابہ کرام کے فیصلوں پر۔ اگر ان سب میں مجھے کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر قیاس کرتا ہوں۔“ یہ سن کر علماء کرام کھڑے ہوئے اور آپ کے سر اور گھٹنوں کو چوما اور فرمایا، ”آپ علماء کے سردار ہیں۔ ماضی میں جو کچھ ہم نے آپ کے متعلق ناروا کہا وہ لاعلمی میں تھا۔ آپ اسے معاف کر دیں۔“ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپکی مغفرت فرمائے۔ (المیزان: ۶۶)

قرآن و حدیث میں تطبیق:



”احناف کے اصول فقہ کا مشہور کلیہ ہے کہ جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے تو بہتر ورنہ بدرجہ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔

بات یہ ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

ان المیت یعذب ببكاء الحی۔ زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اللہ عزوجل ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا۔ فرمایا، یہ لوگ اس پر رورہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ۔ کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن واحادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف، دیانت دار اور ذی فہم داد دے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قرأت خلف امام ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرأت نہیں کرے گا، خاموش رہے گا، خواہ نماز سرّی ہو یا جہری۔ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے: لا صلوة الا بفاتحة الكتاب او كما قال۔ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (الاعراف: ۲۰۳)

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی اذا قرئ القرآن کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہ شامل ہے۔ اس لئے نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت نص قرآنی ثابت ہے۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے۔ حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے اور خود بولے جائے وہ کیا سنے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز میں پڑھا جاتا ہے، اور کچھ میں آہستہ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جائے گا۔ جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوگا۔ اس لئے نماز خواہ سرّی ہو خواہ جہری، امام جب قرأت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے، کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزء القراءة میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے، اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں۔ مگر اس کے متعلق وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے۔ ان کے برخلاف امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا، اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقاً نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بناء پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، عام ہی رہتا ہے۔

جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو۔ قرأت اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر

لی کہ آنے والا قرأت کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل؟ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لا نخل ہے۔ لہذا اگر اس آیت کو خطبہ کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ

فاستمعوا لہ، کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۳ تا ۱۹۶)

☆☆☆☆

## باب سیزدہم (13)

فقہ حنفی کی تدوین:

فقہ اپنی وسعت و جامعیت کے اعتبار سے زندگی کے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اگرچہ فقہ کے بعض مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اسے باقاعدہ ایک کامل دستور اور جامع قانون کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اس وقت تک نہ تو استدلال و استنباط مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے نہ ہی ایسے اصول و ضوابط طے ہوئے تھے جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

بارہا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سرکاری قاضیوں اور حکام کو فیصلوں میں غلطیاں کرتے دیکھا، یہ بھی تدوین فقہ کا ایک سبب تھا۔ نیز تمدن میں وسعت کی وجہ سے روز بروز نئے مسائل پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ اطراف و بلاد سے آنے والے سیکنڈوں استفتاء امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آنے لگے تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ احکام و مسائل کے وسیع و کثیر جزئیات کو اصولوں کے ساتھ ترتیب دیکر ایک جامع فن کی شکل دیدی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلامی دستور مشعل راہ بن جائے۔

چنانچہ آپ نے تدوین فقہ کے عظیم کام کے لیے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور افراد جو اپنے اپنے فن کے ماہر تھے، انکا انتخاب کر کے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ائمہ حضرات درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان اراکین کمیٹی میں امام ابو یوسف، امام داؤد طائی، حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ، حضرت حفص بن غیاث اور حضرت عبداللہ بن مبارک کو روایت اور حدیث و آثار میں خاص کمال حاصل تھا۔ حضرت قاسم بن معن اور امام محمد عربیت اور ادب میں مہارت رکھتے تھے جبکہ امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ نے ایک کارنامہ انجام دیا جو اسلامی قانون کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم اور یادگار کارنامہ ہے۔ اس زمانے میں امام مالک، امام اوزاعی وغیرہ بڑے بڑے فقیہ موجود تھے۔ انہوں نے کتابیں بھی لکھیں لیکن ان کی کوششیں انفرادی تھیں۔ امام ابو حنیفہ نے سوچا کہ انفرادی کوشش کی جگہ، اسلامی قانون کی تدوین اگر اجتماعی طور پر کی جائے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں میں سے چالیس ماہرین قانون منتخب کر کے ایک اکیڈمی قائم کی۔

انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا کہ جو لوگ قانون کے علاوہ دیگر علوم اور معاملات کے ماہر ہوں، انہیں بھی اکیڈمی کا رکن بنایا جائے غرض مختلف صلاحیتوں کے ماہرین کو اس اکیڈمی میں جمع کیا گیا۔“ (خطبات بہاولپور: ۸۵)

چونکہ فقہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل پر مبنی ہے اس لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کو جمع کیا اور پھر انکی معاونت سے اسلامی قوانین کو مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور پھر اس مسئلہ پر آپ کے تلامذہ گفتگو کرتے۔ بعض اوقات بحث و تحقیص میں انکی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نہایت خاموشی سے انکی گفتگو سنتے رہتے پھر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے اور یہ سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا، ”پاک ہے وہ ذات جس نے امام ابو حنیفہ کے لیے ان حضرات کو خاموش کرایا۔“ (مناقب للموفق: ۴۱۲)



امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے۔ کبھی تو آپ کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعمش رحمہ اللہ آپ کے طریقہ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں، ”جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اسکے اراکین اس مسئلے کو اس قدر گردش دیتے ہیں اور اسکے ہر پہلو کا اس قدر غور سے جائزہ لیتے ہیں کہ بالآخر اس حل روشن ہو جاتا ہے۔“ (مناقب للکردری، ج ۲: ۳)

صدر الائمہ علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی۔ اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا و رسول ﷺ سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک مسئلہ پیش کر کے اپنے تلامذہ کی رائے سنتے اور پھر اپنا نظریہ بیان فرماتے۔ ضرورت ہوتی تو ایک ماہ یا زیادہ عرصہ بحث ہوتی۔ حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر آ کر بات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسے اصول میں درج کر لیتے اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لیے۔ (حیات امام ابو حنیفہ: ۳۳۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بحث شروع ہو جاتی اور امام عافیہ رحمہ اللہ اس وقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اس بحث کو عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آ جاتے اور وہ سب کی رائے سے متفق ہو جاتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۱۰۸)

ان چالیس میں سے دس یا بارہ ائمہ کی ایک اور خصوصی مجلس تھی جس میں امام اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن ظہیان، قاسم بن معن اور اسد بن عمرو شامل تھے جو فیصلہ کو حتمی شکل دیتی اور پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

دستور اسلامی کی تدوین کا یہ عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا حتیٰ کہ آپ کی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔ اس دستور کے جتنے اجزاء تیار ہو جاتے، ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کر دیا جاتا۔ یہ مجموعہ ”کتاب فقہ ابی حنیفہ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تراسی ہزار (۸۳،۰۰۰) مسائل طے کیے، ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸،۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۳۵،۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے۔“ (ذیل الجواہر ج ۲: ۲۷۲)

آزاد خیال عالم شبلی نعمانی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ”امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ انکی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں، ان سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۰۹)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو تدوین فقہ کا اس قدر ماہر بنادیا تھا کہ یہ کام آپ کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔ ایک شخص نے امام وکیع رحمہ اللہ سے کہا، ”امام ابو حنیفہ سے غلطی ہوئی۔“ تو امام وکیع الجراح رحمہ اللہ نے فرمایا، جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ انکے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ انکو حق کی طرف لوٹا دیتے۔“ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (الخیرات الحسان: ۱۰۰)

امام وکیع رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ تدوین فقہ میں جو لوگ شریک تھے وہ سب علم و فضل کے اعتبار سے استاد زمانہ اور رہبر و راہنما کی حیثیت کے حامل تھے۔ ان اکابرین امت نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ راہنمائی میں فقہ حنفی کی تدوین کر کے اسے مذاہب ثلاثہ (مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب) کے لیے نشان راہ اور سنگ میل بنادیا۔

فقہاء نے کیا خوب فرمایا ہے، ”فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیراب کیا، حضرت ابراہیم

حنفی رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹا، حضرت حماد رضی اللہ عنہ نے اسکا اناج جدا کیا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے پیسا، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے اسے گوندھا اور امام محمد رضی اللہ عنہ نے اسکی روٹیاں پکائیں جبکہ باقی لوگ اسکے کھانے والے ہیں۔ (در مختار)

کتاب فقہ کی تدوین:

اہل سنت مسلمہ کی سہولت اور علماء کی آسانی کے لیے سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین کتب کی ضرورت محسوس کی اور علم شریعت کی تدوین فرمائی۔

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ قسطنطنیہ میں،

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد اور خاص ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے ابواب میں تقسیم فرمایا پھر اسکی پیروی امام مالک نے ”موطا“ کی ترتیب میں کی۔ امام صاحب سے پہلے کسی نے ایسا نہ کیا کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین نے علم شریعت کو نہ تو ابواب میں تقسیم کیا اور نہ ہی کوئی کتاب مرتب کی بلکہ وہ اپنے حافظہ کی قوت پر اعتماد کرتے تھے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ علم منتشر ہوتا جا رہا ہے تو انہیں اس کے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو آپ نے اسے مدون کر کے ابواب میں تقسیم کیا۔ آپ نے علم الفقہ کو باب الطہارۃ سے شروع کیا پھر باب الصلوٰۃ، پھر تمام عبادات پھر معاملات اور آخر میں وراثت کا باب مرتب کیا۔“ (حمیض الصحیفہ: ۳۵)

”امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے مسائل بیان کیے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام صاحب نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے۔“ (مناقب للموفق: ۳۷۹)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علم فقہ کی تدوین کی اور اسکو ابواب میں مدون کیا اور اسکی کتابیں مرتب کیں جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”موطا“ میں انہیں کی پیروی کی۔ اس سے قبل لوگ اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کی۔“ (الخیرات الحسان: ۱۰۱)

”تعجب ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہماری کا دعویٰ تھا وہ بھی (امام اعظم کی) اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الجیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔ زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے۔ ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو وہ امام ابو حنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا، کہ آپ ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں؟“ بولے: ”کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔“ یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض امام ابو حنیفہ کی مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی۔ (سیرۃ النعمان: ۲۲۸)

حنفی فقہ جس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ انکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں، دنیائے اسلام کا بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ اگرچہ بعد میں علمائے حنفیہ نے اس میں بہت سا اضافہ کیا، لیکن امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ اور آپ کے دیگر شاگرد آپ کے طریقہ اجتہاد کی پیروی کرتے ہوئے اور آپ کے مرتب کردہ فقہی قواعد و اصول کے مطابق ہی قرآن و حدیث سے مسائل اخذ کرتے رہے۔ اسی بناء پر امام اعظم رضی اللہ عنہ ”مجتہد فی الشرع“ ہیں اور آپ کے ان شاگردوں کو ”مجتہد فی المذہب“ کا درجہ حاصل ہے اور وہ اصول میں امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد ہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کئی مسائل میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگ اس وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حقیقت کو خود امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد رحمہم اللہ نے بیان کیا۔ انکے بقول، ہم نے جو اقوال بظاہر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہے وہ بھی دراصل امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے اقوال ہیں کیونکہ بعض مسائل میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف اور متعدد آراء ظاہر کی تھیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا: ”میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی قول کی سوائے ایک قول کے مخالفت نہیں کی۔“ (شامی ج ۱: ۴۹)



ما خالفت ابا حنیفۃ فی قول الا وقد کان ابو حنیفۃ یقول بہ۔

”میں نے کسی قول میں امام ابو حنیفہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ وہ بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا ایک قول ہوتا تھا“۔ (الجواہر المصیبر، ج ۱: ۲۳۳)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فقہی مجموعہ جو کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے موسوم ہے، اسکی تفصیل حسب ذیل ہے، اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے مرتب کیا ہے۔

۱۔ کتب ظاہر الروایۃ: اس میں چھ کتابیں ہیں۔ جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات، السیر الصغیر، السیر الکبیر۔

امام ابو الفضل محمد بن احمد مروزی رحمہ اللہ نے ظاہر الروایۃ کی تمام کتب کے مسائل پر مشتمل ایک کتاب ”کافی“ لکھی۔ امام سرخسی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تیس (۳۰) جلدوں میں شرح لکھی جو ”مبسوط“ کے نام سے مشہور ہے۔

2۔ کتب نوادر:

کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ جو دیگر کتب امام محمد رحمہ اللہ نے تصنیف فرمائیں انہیں نوادرات کہتے ہیں۔ انہیں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد، نوادر ابن رستم وغیرہ شامل ہیں۔ انکے علاوہ حدیث وفقہ میں امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی دوسری کتب مثلاً کتاب الحج، کتاب الآثار، کتاب الخراج، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیرالاوزاعی اور موطا امام محمد وغیرہ پر بھی کتب نوادر کا اطلاق ہوتا ہے۔

تصانیف امام اعظم:

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانے میں کتابیں لکھنے کا باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ لوگ اپنے حافظے اور یادداشت پر اعتماد کرتے۔ دوسری صدی ہجری میں تصنیف وتالیف کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین فقہ کے لیے کوفہ میں مجلس فقہ قائم کی جس میں آپ اپنے شاگردوں کو احادیث اور فقہ کا املا کراتے تھے۔

اس علمی ذخیرہ کو آپ کے تلامذہ نے اپنے اپنے حلقوں میں بیان کیا اس طرح یہ روایات انہی کی طرف منسوب ہو گئیں۔ گویا آپ کے تلامذہ کی طرف منسوب تصانیف درحقیقت امام اعظم ہی کی تصانیف ہیں۔

انکے علاوہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصانیف کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:-

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نہایت معروف تصنیف ”فقہ اکبر“ ہے جو کہ اہلسنت وجماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ اسکی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں محدث علی قاری رحمہ اللہ کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اسکے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

کتاب السیر۔ الکتاب الاوسط۔ الفقہ الاوسط۔ کتاب الرد علی القدریہ۔ العالم والحکیم۔ کتاب الرای۔ رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارچاء۔ کتاب اختلاف الصحابہ۔ کتاب الجامع۔ مکتوب وصایا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث پر مشتمل کئی کتب تھیں جنہیں امام محمد بن محمود خوارزمی رحمہ اللہ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا، کہ بعض جاہلوں نے شام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں اسی وجہ سے حدیث میں انکی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جو علماء نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی احادیث سے جمع کیے تھے، اکٹھا کر دیا۔ انکی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری۔

۲۔ مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

۳۔ مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔

۴۔ مسند حافظ ابو نعیم الاصبہانی۔

۵۔ مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری۔

۶۔ مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن بن عدی الجرجانی۔

۷۔ مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشعری۔

۸۔ مسند ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔

۹۔ مسند امام قاضی ابو یوسف یعقوب۔

۱۰۔ مسند امام محمد بن حسن الشیبانی۔ ۱۱۔ مسند امام حماد بن امام ابو حنیفہ۔

۱۲۔ آثار امام محمد بن حسن۔ ۱۳۔ مسند امام عبد اللہ بن ابی العوام۔

امام خوارزمی رحمہ اللہ نے اپنی جامع المسانید میں ان مسانید کو جمع کیا ہے اور انکی اکابر محدثین تک اسناد بھی بیان کر دی ہیں۔ انکے علاوہ اور بھی مسانید ہیں مثلاً:-

۱۴۔ مسند حافظ ابو عبد اللہ حسنین بن محمد بن خسر و بخی۔

۱۵۔ مسند امام حاکمی، محدث علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۱۶۔ مسند امام ماوردی۔

۱۷۔ مسند ابن المیزازی، ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے ”تانیب الخطیب“ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔ حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمہ اللہ نے ”عقود الجمان“ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مناقب الامام الاعظم میں کہا، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں“۔ علامہ مزنی رحمہ اللہ نے تہذیب الکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں تو سینکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث ہیں جو ائمہ ستہ اور انکے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ و اساتذہ بواسطہ یا بلا واسطہ ہیں۔

ان مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے براہ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں اور ہلا ثبات تو اکثر ہیں جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں۔

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۸۵)

☆☆☆☆

## باب چہارم (۱۴)

امام اعظم رحمہ اللہ کے تلامذہ:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے امام اعظم رحمہ اللہ سے علم حدیث و فقہ حاصل کیا ان کا شمار ناممکن ہے۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جتنے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے ہوئے اور علماء اور عوام کو کسی سے اس قدر فیض نہ پہنچا جتنا کہ امام اعظم اور انکے اصحاب سے مشتبہ احادیث کی تفسیر، اخذ کردہ مسائل، جدید پیش آنے والے مسائل اور قضا و احکام میں فائدہ پہنچا۔ خدا ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ بعض متاخر محدثین نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تذکرہ میں انکے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو لکھی ہے اور انکے نام و نسب بھی لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم اسے حذف کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۸۴)



حافظ ابوالمحسن شافعی رحمہ اللہ نے ۹۱۸ لوگوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے۔ (سیرۃ النعمان: ۳۱۹)

اب امام اعظم رحمہ اللہ کے چند مشہور شاگردوں کے مختصر احوال تحریر کیے جا رہے ہیں، بعد ازاں آپ کے اُن چالیس مشہور شاگردوں کی فہرست تحریر کی جائے گی جنہوں نے تدوین فقہ کے کام میں حصہ لیا تھا۔

## 1۔ امام ابو یوسف:

آپ کا نام یعقوب اور کنیت ابو یوسف رحمہ اللہ ہے۔ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنی بصیرت و فراست سے آپ کی پیشانی پر علم و فضل کے آثار دیکھے اور پھر آپ کے علم حاصل کرنے کا شوق ملاحظہ کیا تو آپ کے اخراجات اپنے ذمے لے لیے۔ آپ نے علم فقہ و حدیث امام اعظم رحمہ اللہ سے حاصل کیا نیز اس زمانے میں کئی اکابر محدثین سے بھی استفادہ کیا۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ قاضی، فقیہ، عالم اور حدیث کے حافظ تھے۔ حدیث حفظ کرنے میں مشہور تھے۔ آپ پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے اور پھر کھڑے ہو کر دوسروں کو لکھوا دیتے تھے۔ آپ کثیر الحدیث تھے۔ آپ تین عباسی خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کے عہدے پر فائز رہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۵۱)

امام اعظم رحمہ اللہ کا ارشاد ہے ”میرے شاگردوں میں جس نے سب سے زیادہ علم حاصل کیا وہ ابو یوسف ہیں“۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بیس کتابوں کے نام علامہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ نے تحریر کیے ہیں۔ (ایضاً: ۱۵۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے جبکہ جرح و تعدیل کے نامور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے آپ کو ”صاحب حدیث و صاحب سنۃ“ فرمایا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ) شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ کے بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ نے چالیس گراں قدر کتب تصنیف کیں۔ (حیات ابو حنیفہ: ۳۵۱)

ایک موقع پر امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے خاص شاگردوں کے متعلق فرمایا،

”یہ میرے ۱۳۶ اصحاب ہیں جن میں سے ۲۸ میں قاضی بننے کی پوری اہلیت ہے اور چھ افراد میں فتویٰ دینے کی صلاحیت ہے جبکہ میرے دو شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام زعفران رحمہ اللہ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کو مہذب اور مؤدب بنائیں۔“ (حیات امام ابو حنیفہ: ۳۵۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، جب کسی مسئلہ میں یہ تین حضرات متفق ہوں تو انکی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ پوچھا گیا، وہ تین حضرات کون ہیں؟ فرمایا، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد ابن الحسن۔ امام ابو حنیفہ قیاس میں بہت بصیرت رکھتے ہیں، امام ابو یوسف آثار پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور امام محمد عربیت میں تمام لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ (تقدیم موطا امام محمد: ۲۸)

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد کے اساتذہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نیز امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی یہ تینوں امام ابو یوسف ہی کے مشہور شاگرد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (مناقب للموفق: ۵۰۴) آپ کا وصال ۱۸۲ھ میں ہوا۔

## 2۔ امام محمد بن حسن:

امام محمد بن حسن رحمہ اللہ ۱۳۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق اس قدر تھا کہ والد کی میراث سے آپ کو تیس ہزار درہم ملے۔ نصف رقم علم نحو، لغت اور ادب وغیرہ کی تحصیل پر خرچ کی اور بقایا نصف حدیث و فقہ کا علم حاصل کرنے میں خرچ کیے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو خاص صلاحیتوں سے نوازا تھا اسی بناء پر آپ نے صرف ایک ہفتہ میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ (تقدیم موطا امام محمد: ۱۷)

گمان یہ ہے کہ علم نحو اور عربی زبان و ادب میں مہارت کے باعث آپ کو امام اعظم نے کم عمری ہی میں اپنی مجلس کا رکن بنالیا تھا۔ بعد ازاں آپ نے دو سال تک امام اعظم رحمہ اللہ سے درس لیا پھر ان کے وصال کے بعد امام ابو یوسف، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتساب فیض کیا۔ اس طرح آپ کم عمری ہی میں عالم و فقیہ بن گئے۔ امام اعظم کے پوتے اسماعیل بن حماد کی روایت کے مطابق، امام محمد کا حلقہ درس کوفہ میں قائم ہو چکا تھا حالانکہ اس وقت وہ صرف بیس برس کے تھے۔ (مناقب للکردری، ج ۲: ۱۵۰)

آپ کے تلامذہ بیشمار ہیں جن میں امام شافعیؒ، ابو حفص کبیر، محمد بن ساعد، خلف بن ایوب، قاسم بن سلام، عیسیٰ بن ابان رحمہم اللہ تعالیٰ زیادہ مشہور ہیں۔  
 آپ نے نو سو سے زیادہ دینی کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ نے امام شافعیؒ کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۳۱)  
 آپ ہی نے امام شافعیؒ کی دینی تربیت فرمائی جس کے باعث امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ ”علم فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان امام محمد رحمہ اللہ کا ہے۔“

ایک اور ارشاد ہے، ”میں نے ان سے زیادہ فصیح کوئی نہیں پایا، وہ جب گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا قرآن انہی کی لغت میں نازل ہوا ہے۔“  
 (تاریخ بغداد ج ۲: ۱۷۵)

امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے کہ ”میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی قرآن مجید کا عالم نہیں دیکھا۔“ (الجواہر المہیہ) ابراہیم حربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ  
 میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا، کہ آپ ایسے دقیق مسائل کہاں سے بیان فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، یہ سب امام محمدؒ کی کتابوں کا  
 فیض ہے۔ (تاریخ بغداد، ج ۲: ۱۷۷)

خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو ”زقہ“ کا قاضی مقرر کیا۔ آپ قاضی مقرر ہوئے اور کچھ مدت بعد بغداد چلے گئے۔ ۱۸۹ھ میں وصال ہوا۔  
 ایک بار خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ کی آمد ہوئی سب لوگ کھڑے ہو گئے، لیکن آپ کھڑے نہ ہوئے۔ خلیفہ نے آپ کو خلوت میں بلا کر سب  
 پوچھا، تو آپ نے فرمایا، آپ نے مجھے علماء کی صف میں شامل کیا ہے اس لیے میں نے آپ کے خادموں کی صف میں شامل ہونا پسند نہ کیا۔ (سوانح: ۱۶۶)

### 3۔ امام زفر بن ہذیل:

آپ ۱۱۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظمؒ کے بہت محبوب و محمد شاگرد ہیں۔ امام صاحب کی مجلس میں سب سے آگے بیٹھتے اور امام اعظمؒ  
 ہر موقع پر آپ کی تعظیم اور مدح و ثنا فرماتے۔ آپ کو حدیث میں امامت اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ امام اعظمؒ کے شاگردوں میں چار  
 لوگ فقہ کے ایسے حافظ تھے جیسے قرآن کے حافظ ہوا کرتے ہیں۔ زفر، ابو یوسف، اسد بن عمرو، علی بن مسہر۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

(اخبار ابی حنیفہ: ۶۶)  
 جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے، زفر صاحب الراۃ ثقة مامون۔ امام زفر نے فقہ کی تحصیل سے پہلے اپنے دور کے نامور  
 تابعین سے علم حدیث حاصل کیا اور اس میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ لوگ آپ کو ”صاحب الحدیث“ کہتے اور آپ کے پاس اکتساب علم کے لیے  
 آتے۔ بعد ازاں آپ نے امام اعظمؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ امام زفرؒ کا ارشاد ہے، امام اعظمؒ کا ہر تربیت یافتہ شاگرد امت کا فقیہ ہے۔  
 (مناقب للموفق: ۳۹۵)

ایک شخص امام مزنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا، امام ابو حنیفہؒ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا، اہل عراق کے سردار،  
 پھر پوچھا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے متعلق کیا رائے ہے؟ فرمایا، وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں۔  
 اس نے پھر پوچھا، امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا، وہ تعریفات میں سب پر فائق ہیں۔ وہ بولا، امام زفر رحمہ اللہ کے متعلق فرمائیے۔  
 فرمایا، وہ قیاس و اجتہاد میں سب سے زیادہ تیز ہیں۔ (حیات امام ابو حنیفہ: ۴۸۴)

امام اعظمؒ نے ان کا نکاح پڑھایا تو خطبہ کے دوران فرمایا، ”اے حاضرین! یہ زفر ہیں جو مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام اور شرافت و  
 علمیت کے لحاظ سے مسلمانوں کی عظمت کا ایک نشان ہیں۔“

امام زفرؒ زہد و تقویٰ میں بھی بے مثال تھے۔ دو مرتبہ حکومت نے آپ کو قاضی بننے پر مجبور کیا مگر دونوں مرتبہ آپ نے اپنے استاد امام اعظمؒ ابو حنیفہ  
 کی طرح انکار کر دیا اور گھر چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ غصہ کے باعث دونوں بار حکومت نے آپ کا مکان گرا دیا۔ چنانچہ آپ کو دو مرتبہ اپنا مکان تعمیر  
 کرنا پڑا۔



علوم القرآن، معرفت حدیث اور فن رجال کے علاوہ قیاس و استنباط میں آپ کی حد درجہ مہارت کے باعث امام اعظم ؒ آپ کو امام ابو یوسف ؒ اور امام محمد ؒ پر ترجیح دیتے تھے۔ دیگر اصحاب کے مقابلے میں کم عمری میں آپ کا انتقال ہو گیا اس لیے آپ تصنیف و تالیف کا کام نہیں کر سکے۔ آپ امام اعظم ؒ کے وصال کے بعد انکی جگہ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(اولیاء رجال الحدیث: ۱۲۷)

#### 4۔ امام مالک بن انس:

چالیس اراکین شری کے علاوہ امام اعظم ؒ کے دیگر اصحاب میں امام مالک ؒ سر فہرست ہیں۔ آپ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ جب بھی امام اعظم ؒ مدینہ منورہ میں حاضری دیتے تو امام مالک ؒ آپ سے استفادہ کرتے۔ یہ بھی پہلے بیان کیا گیا کہ امام مالک ؒ نے موطا کی تصنیف میں امام اعظم کی کتب سے استفادہ کیا۔ امام مالک ؒ اکثر امام ابو حنیفہ ؒ کے اقوال کو بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ کے اقوال کی تلاش میں رہتے تھے۔ اسحاق بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسائل دینیہ میں امام مالک ؒ، امام اعظم ؒ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۳)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ دینی مسائل میں امام اعظم ؒ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امام مالک ؒ کے نزدیک بھی نماز میں رفع یدین منسوخ ہے۔ آپ امام اعظم ؒ کا بہت ادب کیا کرتے۔

محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ امام مالک ؒ، امام اعظم ؒ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہے تھے جب مسجد کے دروازے پر پہنچ تو امام مالک ؒ نے امام ابو حنیفہ ؒ کو آگے کر دیا۔ (ایضاً: ۳۲۵)

ایک مرتبہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد امام مالک ؒ اور امام اعظم ؒ کی علمی گفتگو شروع ہوئی۔ راوی کہتے ہیں کہ امام اعظم ؒ بات کرتے تو امام مالک ؒ ادب اور خاموشی سے سنتے اور اس پر اعتراض نہ کرتے اور جب امام مالک ؒ بات کرتے تو امام اعظم ؒ خاموشی سے سنتے۔ اس طرح یہ سلسلہ فجر کی اذان تک جاری رہا۔ (ایضاً: ۴۱۵)

امام شافعی ؒ کا قول ہے، اگر امام مالک ؒ اور ابن عیینہ ؒ نہ ہوتے تو حجازیوں کا علم نیست و نابود ہو جاتا۔

بعض لوگ امام مالک ؒ کو امام اعظم ؒ کا شاگرد ماننے کی بجائے ان کا استاد قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم ؒ سے امام مالک ؒ کی روایت حدیث ثابت ہے مگر امام مالک ؒ سے امام اعظم ؒ کی روایت ثابت نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ؒ کی روایت امام مالک ؒ سے ثابت نہیں اور دارقطنی نے جو روایتیں ذکر کی ہیں وہ محل نظر ہیں کیونکہ وہ بطور مذاکرہ تھیں نہ کہ تحدیث بالقصد روایت۔ (انوار الباری ج ۱: ۵۴)

آقا و مولیٰ ﷺ سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ آپ ایک بار حج کے ایام کے سوا ساری عمر مدینہ منورہ میں رہے مگر زمانہ بیماری کے سوا کبھی شہر مدینہ میں قضائے حاجت نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ حرم سے باہر تشریف لے جاتے۔ آپ مدینہ منورہ میں کبھی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ ”مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری کے جانور کے سموں سے اس زمین کو روندوں جس کے چپے چپے کو میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔“

#### 5۔ امام مسعر بن کدام:

امام اعظم ؒ کے اصحاب میں ایک اہم نام امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کا آتا ہے جو عظیم محدث تھے۔ آپ پہلے امام اعظم ؒ سے حسد کرتے اور آپ کی غیبت بھی کرتے۔ ایک بار امام اعظم ؒ کی خدمت میں آئے تو آپ کا زہد و تقویٰ دیکھ کر سخت نادم ہوئے۔ (یہ واقعہ ”عبادت و ریاضت“ کے عنوان کے تحت مذکور ہو چکا ہے) چنانچہ توبہ کر کے آپ کی صحبت اختیار کر لی یہاں تک کہ آپ ہی کی مسجد میں حالت سجدہ میں انتقال کیا۔ (ایضاً: ۲۶۳)

سلیم بن سالم رحمہ اللہ نے فرمایا، ہم امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کے درس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم ان سے سوال کرتے تو وہ امام اعظم ؒ کے اقوال سے بات شروع کرتے۔ ایک شخص نے کہا، ہم آپ سے اللہ اور رسول ﷺ کی بات پوچھتے ہیں تو آپ بدعتیوں کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ امام مسعر رحمہ

اللہ اس شخص سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا، تمہاری اس بیہودہ بات کا جواب صرف یہ ہے کہ تم میری مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا چھوٹا سا شاگرد حج کے ایام میں خانہ کعبہ کے پاس کھڑا ہو جائے تو ساری دنیا کے علماء اسے سنتے رہیں۔ اسکے بعد آپ نے یہ دعا مانگی، ”اے اللہ میں تیرا قرب چاہتا ہوں اور اس کے لیے امام ابو حنیفہ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔“ (ایضاً: ۴۱۸)

جب امام اعظم رحمہ اللہ تشریف لاتے تو امام مسعر رحمہ اللہ تعظیم میں کھڑے ہو جاتے اور جب انکے سامنے بیٹھتے تو دو زانو بیٹھتے اور آپ کی رائے رد نہ کرتے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے مسند میں کئی احادیث ان سے روایت کی ہیں۔ (ایضاً: ۳۳۰)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب کسی حدیث میں ہمارا اختلاف ہو جاتا تو ہم امام مسعر بن کدام سے پوچھتے تھے۔ وہ آپ کو حدیث کا ”میزان“ کہا کرتے تھے۔ (الجواہر المصیۃ ج ۲: ۱۶۷)

امام مسعر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، آپ اصحاب ابی حنیفہ کی رائے چھوڑ کر امام اعظم رحمہ اللہ کی رائے کی طرف کیوں مائل ہوئے؟ فرمایا، اس کی صحت کی بنا پر۔ تو اب تم اس سے بھی زیادہ صحیح لاؤ تا کہ میں اسے اپناؤں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا، ”میں نے امام مسعر رحمہ اللہ کو امام اعظم سے سوال کرتے اور استفادہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (الخیرات: ۱۱۰) آپ کا وصال ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ میں ہوا۔

6۔ امام عبداللہ بن مبارک:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، امام اعظم کے نہایت مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں آپ کو ”زاہدوں کا سردار، اوتاد کا پیش رو اور اہل طریقت و شریعت کا امام“ فرمایا ہے۔ آپ علم حدیث میں اس قدر بلند مقام کے حامل تھے کہ محدثین آپ کو ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں آپ کا ذکر یوں کیا ہے، ”وہ امام جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا ہے، جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور جس کی محبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔“

ایک موقع پر انہیں کسی نے ”عالم مشرق“ کہہ دیا تو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا، ”صرف مشرق کے عالم نہیں، وہ تو مشرق و مغرب کے عالم ہیں۔“ آپ کا ارشاد ہے، میں نے چار ہزار مشائخ سے حدیث کا علم حاصل کیا اور ایک ہزار شیوخ سے احادیث روایت کیں۔ آپ نے فقہ و حدیث میں کئی کتب تصنیف فرمائیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کسی نے حدیث کے حصول کی کوشش نہیں کی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔

آپ امام اعظم کی مجلس فقہ اور اس کی ذیلی بارہ کنی خصوصی کمیٹی کے بھی رکن تھے۔ آپ نے امام اعظم سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام اعظم کی شاگردی پر آپ کو اس قدر فخر تھا کہ آپ علانیہ فرماتے، ”اگر اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعہ سے میری دھگری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں جیسا ہوتا۔“ (تمییز الصحیفہ: ۱۹) آپ ہی کا ایک اور ارشاد گرامی ہے، ”کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کو زیبا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ میری رائے ہے۔“ (ایضاً: ۲۰)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے تھے، ”میں نے کسی کو امام ابو حنیفہ کے اوصاف اس طرح بیان کرتے ہوئے نہ پایا جیسا کہ ابن مبارک انکے اوصاف بیان کرتے اور انکو بھلائی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔“ (الخیرات الحسان: ۱۳۷)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی آیات (نشانیوں) میں سے ایک آیت (نشانی) ہیں۔ کسی نے سوال کیا، آیت خیر ہیں یا آیت شر؟ فرمایا، تم قرآن کی روشنی میں آیت کا لفظ تلاش کرو۔ وجعلنا ابن مریم وامہ آیت۔ ترجمہ: ”اور ہم نے مریم اور اسکے بیٹے کو آیت کیا۔“ (المومنون: ۵۰) کیا آیت شر سے بھی بن سکتی ہے؟ (مناقب للموفق: ۳۱۷)

سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے علم و فضل کے متعلق آپ کا ارشاد ہے، اگر امام ابو حنیفہ تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے جب صحابہ کرام کی کثرت تھی تو کئی



تا بعین بھی آپ کے علوم سے بہرہ ور ہوتے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا قیاس دراصل حدیث کی تفسیر و تشریح تھا۔ (ایضاً: ۳۳۸) آپ کا وصال ۱۸۱ھ میں ہوا۔

## 7۔ امام وکیع بن الجراح:

آپ امام اعظم رحمہ اللہ کے خاص شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن تھے۔ فن حدیث و رجال کے متعلق آپ کی روایات اور آراء معتد و مستند سمجھی جاتی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے آپ کی روایت سے کئی حدیثیں صحیحین میں درج کی ہیں۔ بلکہ امام بخاری نے تو امام عبداللہ بن مبارک، امام وکیع اور امام اعظم کے دیگر شاگردوں کی کتابیں حفظ کر رکھی تھیں۔ (طبقات الکبریٰ ج ۲: ۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام وکیع کا تعارف ان القابات سے کرایا ہے، الامام الحافظ الثبت محدث العراق احد الائمة الاعلام وکیع بن الجراح۔ آپ کے علم و فضل کے متعلق امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ”میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسے امام وکیع پر ترجیح دوں۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کے ممتاز شاگرد تھے۔ انہیں آپ کی شاگردی پر اس قدر ناز تھا کہ جب وہ آپ کی روایت سے کوئی حدیث سناتے تو سننے والوں سے فرماتے، ”یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے بیان کی کہ تمہاری آنکھوں نے اس جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا ہوگا۔“ (تہذیب الاسماء واللغات)

امام وکیع رحمہ اللہ اکثر مسائل میں امام اعظم کی تقلید کیا کرتے اور انہی کے فتوے کے موافق فتویٰ دیا کرتے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ویفتی بقول ابی حنیفہ۔ یعنی امام وکیع امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق فتوے دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۸۰) امام وکیع رحمہ اللہ نے امام اعظم سے کثیر حدیثیں سنیں اور روایت کیں۔ (ایضاً ج ۱: ۱۵۱، تمییز الصحیفہ: ۱۵) خطیب بغدادی نے بھی تاریخ بغداد میں اس کی تصدیق کی ہے۔

یہ مشہور واقعہ پہلے تحریر ہو چکا کہ ایک شخص نے امام وکیع رحمہ اللہ سے کہا، ”امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی۔“ تو آپ نے فرمایا، جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ اکو حق کی طرف لوٹا دیتے۔“ رحمۃ اللہ علیہم، جمین (الخیرات الحسان: ۱۰۰)

## 8۔ امام یحییٰ بن سعید قطان:

امام اعظم رحمہ اللہ کی مجلس فقہ کے رکن، امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ وہ جلیل القدر محدث ہیں جن کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ فن رجال میں جس محدث نے سب سے پہلے لکھنے کا آغاز کیا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں، پھر آپ کے بعد آپ کے شاگردوں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس فن میں گفتگو کی اور ان کے بعد ان کے شاگردوں امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے فن رجال میں کام کیا۔

امام احمد بن حنبل کا معروف قول ہے کہ ”میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔“ رحمہم اللہ تعالیٰ (میزان الاعتدال، دیباچہ) حدیث کے راویوں کی تحقیق و تنقید میں آپ کو اس قدر بلند مقام حاصل تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے، ”یحییٰ جس راوی کو چھوڑ دیں گے ہم بھی اسے چھوڑ دیں گے۔“ علم و فضل کے اس قدر بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ امام اعظم کے حلقہ درس میں شریک ہوتے، ان کی شاگردی پر فخر کرتے اور ان کے مخالفین کے پراپیگنڈے کا جواب دیتے۔

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان امام اعظم ہی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱: ۲۸۰)

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن سعید کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ”ہم اللہ تعالیٰ سے جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے امام ابوحنیفہ کے اجتہاد

سے بہتر کسی سے نہیں سنا، اور ہم نے آپ کے اکثر اقوال اختیار کیے ہیں۔“ رحمہ اللہ تعالیٰ

(تہذیب التہذیب، جزء عاشر: ۴۵۰)

آپ کا یہ ارشاد بھی خاص توجہ کے لائق ہے۔ فرمایا: ”میں عمر بھر فقہی مسائل میں تمام لوگوں پر چھایا رہا مگر جب میں امام اعظم کے پاس پہنچا تو یوں محسوس ہوا کہ میں انکے سامنے کچھ بھی نہیں۔ جو مقام امام اعظم کو حاصل تھا کوئی دوسرا اس تک نہ پہنچ سکا۔“ (مناقب للموفق: ۳۴۰)

زہیر بن نعیم کا بیان ہے کہ آپ کے وصال کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ یحییٰ بن سعید قطان کے بدن پر ایک گرتا ہے جس یہ لکھا ہے: ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تحریر ہے کہ یحییٰ بن سعید کے لیے جہنم سے نجات ہے۔“ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۶۲)

9۔ امام یحییٰ بن زکریا:

حافظ حدیث، امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کو امام المحدثین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ امام احمد بن حنبل، ابو بکر بن ابی شیبہ، یحییٰ بن معین، قتیبہ اور علی بن المدینی کے بھی استاد ہیں۔ آپ کے متعلق امام بخاری کے استاد، امام علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے: ”یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہو گیا۔“ (میزان الاعتدال ترجمہ یحییٰ)

یہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ خود اتنے بڑے عالم تھے کہ انکے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے تھے: ”میں نے علی بن المدینی کے سوا کسی کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھا۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲: ۱۶۲)

گویا امام بخاری جن کے سامنے خود کو چھوٹا سمجھتے تھے وہ امام اعظم کے ایک شاگرد امام یحییٰ بن زکریا کے متعلق گواہی دیتے ہیں کہ ان پر علم کا خاتمہ ہو گیا۔ اب آپ فیصلہ کیجیے کہ جس کے شاگرد کا یہ مقام ہے اس امام اعظم کا کس قدر اعلیٰ مقام و مرتبہ ہوگا؟

امام یحییٰ بن زکریا رحمہ اللہ، امام اعظم کے ایسے خاص شاگردوں میں سے ہیں کہ علامہ ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے آپ کو ”صاحب ابی حنیفہ“ قرار دیتے ہوئے آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے، الحافظ الثبت المتقن الفقیہ ابوسعید الہمدانی الوداعی مولاهم الکوفی صاحب ابی حنیفہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۴۳)

آپ امام اعظم کے محبوب شاگردوں میں سے ہیں اور مجلس فقہ کے علاوہ بارہ رکنی ذیلی مجلس کے بھی رکن ہیں۔ آپ کو طویل عرصہ تک مجلس فقہ کے کاتب یعنی تحریر و تصنیف کی خدمت انجام دینے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ صحاح ستہ خصوصاً صحیح بخاری میں آپ کی روایت سے کثیر تعداد میں احادیث موجود ہیں۔ آپ مدائن میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۸۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

10۔ امام یزید بن ہارون:

آپ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے اہم رکن تھے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین جیسے بڑے بڑے ائمہ حدیث آپ کے شاگرد تھے۔ امام جلال الدین سیوطی نے امام یزید بن ہارون کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے امام اعظم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (تبیض الصحیفہ: ۱۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱)

آپ کے متعلق امام بخاری کے نامور استاد امام علی بن المدینی کا ارشاد ہے: ”میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو احادیث کا حافظ نہیں دیکھا۔“ (تذکرۃ الحفاظ)

امام بخاری کے ایک اور استاد ابو بکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں: ”یزید بن ہارون سے زیادہ ہم نے کسی کو حفظ حدیث میں کامل نہیں دیکھا۔“ آپ کے درس میں ستر ہزار حاضرین کا مجمع ہوتا تھا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۶۳)

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، میں بیشمار لوگوں سے ملا ہوں مگر میں نے کسی کو امام اعظم سے بڑھ کر عاقل، فاضل اور پرہیزگار نہیں پایا۔ (تبیض الصحیفہ: ۲۵)

مقام غور ہے کہ امام یزید بن ہارون جو اصحاب صحاح ستہ خصوصاً امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، انہوں نے امام اعظم کی کیسی تعریف فرمائی ہے۔



یہی نہیں بلکہ جو لوگ بغض و عناد کے باعث امام اعظم کا ذکر پسند نہ کرتے، آپ ان سے ناراض ہو جاتے۔

ایک دن امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ درس کے دوران امام اعظم کے ارشادات سن رہے تھے کہ کسی نے کہا، ہمیں حدیثیں سنائیے اور لوگوں کی باتیں نہ کیجیے۔

آپ نے اس سے فرمایا، ”اے احمق! یہ رسول کریم ﷺ کی حدیث کی تفسیر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا مقصد صرف حدیثیں سننا اور جمع کرنا ہے، اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور معانی معلوم کرتے اور امام اعظم ابو حنیفہ کی کتابیں اور ان کے اقوال دیکھتے جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرتے ہیں۔“ پھر آپ نے اس کو ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔ (مناقب للموفق: ۳۴۳)

## 11۔ امام عبدالرزاق بن ہمام:

آپ جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں۔ انہی اوصاف کی بناء پر سیدنا امام اعظم ﷺ نے آپ کو تدوین فقہ کی مجلس میں شامل کیا تھا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کا تذکرہ یوں شروع کیا ہے، احد الاعلام الشقات۔ آپ نے امام اعظم سے احادیث روایت کی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱، تمییز الصحیفہ: ۱۴)

امام اعظم ﷺ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے، میں نے امام اعظم سے بڑھ کر کسی کو علم والا نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فن حدیث میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ علم حدیث میں آپ کی شہرت اس قدر تھی کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں حدیث سیکھنے آتے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز سے طویل فاصلے طے کر کے لوگ نہیں گئے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے کثیر حدیثیں موجود ہیں۔ حدیث کی ضخیم کتاب ”مصنف عبدالرزاق“ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کتاب کو علم کا خزانہ فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کتاب سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ حدیث کی روایت میں کیا آپ نے امام عبدالرزاق سے بہتر کسی کو دیکھا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا، ”نہیں۔“ (میزان الاعتدال)

## 12۔ امام ابو عاصم النبیل:

آپ کا نام ضحاک بن مخلد اور لقب نبیل ہے۔ آپ امام اعظم ﷺ کے خاص شاگرد اور ان کی مجلس فقہ کے رکن تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ آپ نے امام اعظم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱، تمییز الصحیفہ: ۱۴)

امام بخاری کہتے ہیں کہ امام ابو عاصم نے فرمایا، جب سے مجھے معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے، اس وقت سے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ (الجواہر المصیۃ)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں، ابو عاصم کے ثقہ ہونے پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ عمر بن شیبہ کا قول ہے، اللہ کی قسم! میں نے امام ابو عاصم کا مثل نہیں دیکھا۔ (میزان الاعتدال)

ایک مرتبہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا امام ابو حنیفہ؟ فرمایا، موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ امام اعظم نے فقہ کی بنیاد رکھی جبکہ سفیان صرف فقیہ ہیں۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک امام اعظم تو ابن جریج سے بڑھ کر فقیہ ہیں، میری آنکھ نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو فقہ میں امام اعظم سے بڑھ کر قدرت رکھتا ہو۔ (تاریخ بغداد، الخیرات الحسان، مناقب للموفق)

## 13۔ امام مکی بن ابراہیم:

آپ کا نام عمر بن ہارون ہے، بلخ کے رہنے والے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو حافظ و امام اور شیخ خراسان فرمایا ہے۔ ابتداء میں آپ ایک تاجر

تھے۔ ایک بار آپ کی ملاقات امام اعظم سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا، تم تجارت تو کرتے ہو مگر علم بھی سیکھو کیونکہ جب تک انسان عالم نہ ہو اس کی تجارت میں بڑی خرابی رہتی ہے۔

یہ نصیحت آپ کے دل پر اثر کر گئی اور آپ نے امام اعظم سے فقہ و حدیث کا علم سیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ ان علوم میں امامت کے مقام پر فائز ہوئے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۵ھ) امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام بخاری رحمہم اللہ کے بھی استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج کرنے کا شرف سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگردوں ہی کا صدقہ ہے۔ امام مکی رحمہ اللہ کو امام اعظم سے والہانہ عقیدت تھی چنانچہ آپ ہر مجلس اور ہر نماز کے بعد امام اعظم کے لیے دعائے خیر کرتے اور فرماتے تھے کہ انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے علوم کا دروازہ کھولا۔

ایک مرتبہ درس حدیث کی مجلس میں یوں روایت شروع کی، حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ۔ تو ایک طالب علم نے کہا، آپ ابن جریج کی احادیث بیان کیجیے اور ابو حنیفہ کی روایات نہ سنائیے۔ یہ سنا کر آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا، ”ہم بیوقوفوں کو حدیث نہیں سناتے۔ تم میری مجلس سے نکل جاؤ، تمہارے لیے مجھ سے حدیث لکھنا حرام ہے۔“ چنانچہ جب تک اس طالب علم کو مجلس سے نکال نہیں دیا گیا آپ نے حدیث بیان نہیں فرمائی۔ جب اسے نکال دیا گیا تو پھر حدثنا ابو حنیفہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۳۳)

امام اعظم کے دیگر تلامذہ میں سفیان ابن عیینہ، ابراہیم بن ادہم، حمزہ بن مقلبی، عباد بن العوام، علی بن مسہر، قاسم بن معن، حسن بن صالح، ابوبکر بن عیاش، عیسیٰ بن یونس، اسحاق بن یوسف، شعیب بن اسحاق، عبدالوارث بن سعید، محمد بن بشر، حماد بن زید (رحمہم اللہ تعالیٰ) قابل ذکر ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کے محدثین کے مشائخ میں سے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو بھی آپ کا شاگرد تحریر کیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرنے والے ۹۵ محدثین کے نام تحریر کیے ہیں۔ ان میں مکی بن ابراہیم، ابوعاصم ضحاک کے علاوہ ابونعیم فضل بن دکین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں، یہ تینوں امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور ان سے صحیح بخاری و کتب صحاح میں بکثرت روایات موجود ہیں۔ (تحفہ الصغیر: ۱۳)

ائمہ ثلاثہ اور صحاح ستہ کے محدثین:

ائمہ ثلاثہ اور صحاح ستہ کے تمام محدثین براہ راست یا بالواسطہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ ہی کے شاگرد ہیں۔ مثلاً امام مالک، امام اعظم کے شاگرد ہیں جبکہ امام شافعی، امام محمد بن حسن کے اور امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں جو کہ دونوں امام اعظم کے نامور شاگرد ہیں۔ اس طرح ائمہ ثلاثہ بھی براہ راست یا بالواسطہ امام اعظم ہی کے شاگرد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

یہ مذکور ہوا کہ امام احمد بن حنبل آپ کے شاگرد امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں اور امام احمد کے شاگردوں میں امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد شامل ہیں۔ امام ترمذی نے بخاری و مسلم سے اور امام نسائی نے امام ابوداؤد سے استفادہ کیا ہے جبکہ امام ابن ماجہ بھی اسی سلسلے کے شاگرد ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ تو گویا صحاح ستہ کے تمام محدثین بالواسطہ امام اعظم رحمہم اللہ ہی کے شاگرد ہوئے۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

اراکین شوریٰ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ جس نے تدوین فقہ کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا، اسکے اراکین کی تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مؤرخین نے یہ تعداد چالیس لکھی ہے جس کا ماخذ امام طحاوی رحمہ اللہ کی مشہور روایت ہے۔

قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیری اور خطیب بغدادی رحمہم اللہ نے اسماعیل بن حماد رحمہ اللہ کی روایت بیان کی ہے جس کے مطابق اس مجلس فقہ کے اراکین کی تعداد چھتیس ہے جبکہ علامہ کردری رحمہ اللہ نے مناقب الامام الاعظم میں وکیع بن الجراح رحمہ اللہ کی روایت نقل کی ہے جس میں انہوں نے امام



ابو یوسف رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق مجلس فقہ کے اراکین کی تعداد میں بتائی ہے۔

گمان یہ ہے کہ ۱۲۱ھ میں جب اس کام کا آغاز ہوا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس وقت کے لائق و ذہین ترین شاگرد اس مجلس کے رکن نامزد کیے گئے ہونگے لیکن دوسرے شہروں سے تعلق رکھنے والے بعض شاگرد کچھ عرصہ بعد چلے گئے ہونگے اور انکی جگہ دوسرے ائمہ نے لی ہوگی جبکہ اکثر ائمہ اس عظیم نیکی میں آغاز سے آخر تک شامل رہے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے آخری زمانے میں جو ائمہ کرام مجلس شوریٰ کے اراکین تھے، انہی کے ناموں کی فہرست اکثر تذکرہ نگاروں نے تحریر کی ہے۔

علامہ حافظ عبدالقادر قرشی رحمہ اللہ کی تصنیف، الجواہر المحمدیہ کے حوالے سے ہم چالیس معروف اراکین شوریٰ کے نام سن وصال کے لحاظ سے تحریر کر رہے ہیں:-

- ۱۔ امام زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۸ھ
- ۲۔ امام مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۹ھ
- ۳۔ امام داؤد طائفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۵ھ
- ۴۔ امام مندیل بن علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۸ھ
- ۵۔ امام نصر بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۹ھ
- ۶۔ امام عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۱ھ
- ۷۔ امام حبان بن علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۲ھ
- ۸۔ امام ابو عصمہ نوح رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۳ھ
- ۹۔ امام زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۳ھ
- ۱۰۔ امام قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۵ھ
- ۱۱۔ امام حماد بن الامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۶ھ
- ۱۲۔ امام ہیاج بن بسطام رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۷ھ
- ۱۳۔ امام شریک بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۸ھ
- ۱۴۔ امام عافیہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۰ھ
- ۱۵۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۱ھ
- ۱۶۔ امام قاضی ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۲ھ
- ۱۷۔ امام ابو محمد نوح الحنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۲ھ
- ۱۸۔ امام ہشیم بن بشیر السلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۳ھ
- ۱۹۔ امام یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۳ھ
- ۲۰۔ امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۷ھ
- ۲۱۔ امام اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۸ھ
- ۲۲۔ امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ
- ۲۳۔ امام علی ابن مسہر رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ
- ۲۴۔ امام یوسف بن خالد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ
- ۲۵۔ امام عبداللہ بن ادیس رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۲ھ

۲۶۔	امام فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۲ھ
۲۷۔	امام علی بن ظہیر بن علی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۲ھ
۲۸۔	امام حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۳ھ
۲۹۔	امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۷ھ
۳۰۔	امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۷ھ
۳۱۔	امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۸ھ
۳۲۔	امام شعیب بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۸ھ
۳۳۔	امام حفص بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۹ھ
۳۴۔	امام ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۹ھ
۳۵۔	امام خالد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۹ھ
۳۶۔	امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۰۳ھ
۳۷۔	امام یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۰۶ھ
۳۸۔	امام عبد الرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۱۱ھ
۳۹۔	امام ابو عاصم الضحاك بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۱۲ھ
۴۰۔	امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۱۵ھ



## باب پانزدہم (15)

امام اعظم، ائمہ دین کی نظر میں:

امام اعظم کے بارے میں جلیل القدر ائمہ دین و محدثین کرام کے ارشادات پیش خدمت ہیں:

امام محمد باقر ؑ:

☆ آپ ایک ملاقات میں امام اعظم ؑ کی گفتگو سے خوش ہوئے، ان کی پیشانی کو چوما اور انہیں اپنے سینے سے لگالیا۔ (مناقب للموفق: ۱۲۶)

☆ دوسرے موقع پر فرمایا، ابو حنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی اور روحانی علوم کے ذخائر ہیں۔ (ایضاً: ۱۹۲)

☆ ایک اور موقع پر فرمایا، ”ابو حنیفہ کا طریقہ کیا ہی اچھا اور ان کی فقہ کیا ہی زیادہ ہے۔“ (الانتقاء لابن عبد البر: ۱۲۳)

امام جعفر صادق ؑ:

☆ اے ابو حنیفہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے نانا جان رسول کریم ﷺ کی سنتیں زندہ کرو گے۔ تمہاری رہنمائی سے لوگوں کو صحیح راستہ ملے گا، تمہیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق حاصل ہوگی کہ زمانے بھر کے علمائے ربانی تمہاری وجہ سے صحیح مسلک اختیار کریں گے۔ (مناقب للموفق: ۵۴)

☆ ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں امام ابو حنیفہ ؑ تشریف لائے تو آپ نے اٹھ کر امام صاحب کو گلے لگایا ان کی خیریت پوچھی اور بڑی عزت سے

بٹھایا۔ جب امام اعظم اٹھ کر چلے گئے تو کسی نے پوچھا، آپ انہیں جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، احق ہو؟ میں ان کی خیریت پوچھ رہا ہوں اور تم پوچھ



رہے ہو کہ میں انھیں جانتا ہوں یا نہیں۔ یاد رکھو! یہ شخص اپنے ملک کا بہت بڑا فقیہ ہے۔ (ایضاً: ۳۲۶)

☆ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، ”یہ بڑا عالم و فاضل اور فقیہ ہے۔“ (ایضاً: ۵۵)

امام مالک رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایسے ذہین عالم تھے کہ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے کہ یہ ستون سونے کا بنا ہوا ہے تو وہ دلائل سے ثابت کر سکتے تھے کہ یہ واقعی سونے کا ہے۔ وہ فقہ میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ (مناقب للموفق: ۳۱۸)

امام شافعی رحمہ اللہ:

☆ کسی ماں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر عقل و دانش والا بیٹا نہیں جنا۔ (ایضاً: ۱۹۳)

☆ جو شخص دین کی سمجھ حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں سے فقہ سیکھے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام اعظم کے بچے ہیں۔ (ایضاً: ۳۲۲)

☆ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے محتاج ہیں، میں نے ان سے زائد فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ جس نے امام اعظم کی کتب میں غور و فکر نہ کی، نہ وہ علم میں ماہر ہو سکتا ہے اور نہ ہی فقیہ بن سکتا ہے۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر رحم فرمائے وہ بے پناہ پرہیزگار تھے۔ انھیں منصب قضاۃ قبول نہ کرنے پر حکمرانوں نے کوڑے لگائے مگر وہ صبر و استقلال کے ساتھ انکار کرتے رہے۔ (ایضاً: ۲۱۵)

☆ وہ علم، ورع، زہد اور آخرت کو اپنانے میں سب سے آگے ہیں ان کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ: ۲۷)

امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ:

☆ آپ نے جب پہلی مرتبہ امام اعظم کو دیکھا تو فرمایا، کیا تم ہی ابو حنیفہ ہو؟ عرض کی، جی ہاں! آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ فرمایا، قرآن مجید میں ہے (ترجمہ: ”انکی علامت انکے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔“ الفتح: ۲۸) اس آیت کی روشنی میں آپ کو پہچان لیا۔ (مناقب للموفق: ۲۶۷)

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت وہی کر سکتا ہے جو علم و فضل اور قدر و منزلت میں ان سے بلند تر ہو، اور ایسا شخص ملنا مشکل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۲)

☆ محمد بن بشر کہتے ہیں، میں سفیان ثوری کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس سے۔ فرمایا، یقیناً تم ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہو جو روئے زمین پر سب سے بڑا فقیہ ہے۔ (تمیض الصحیفہ: ۲۱)

☆ ابن مبارک نے سفیان ثوری سے دریافت کیا، کیا وہ باتیں بعید از عقل نہیں ہیں جو امام ابو حنیفہ کے دشمن ان کی غیبت کے طور پر کرتے ہیں؟ فرمایا، صحیح کہتے ہو۔ خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ ان کی نیکیوں کو کوئی کم نہیں کر سکتا البتہ وہ حسد کرنے والے اپنی ہی نیکیاں مٹاتے ہیں۔ (ایضاً: ۳۱)

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ:

☆ کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو زیبا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ میری رائے ہے۔ (تمیض الصحیفہ: ۲۰)

☆ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ میں نے فقہ میں ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً: ۲۰)

☆ اگر اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعے میری مدد نہ فرماتا تو میں عام لوگوں کی مانند ہوتا۔ (ایضاً: ۱۹)

☆ اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے جب صحابہ کرام کی کثرت تھی تو کئی تابعین بھی آپ کے علوم سے بہرہ ور ہوتے۔ امام اعظم کا قیاس دراصل حدیث کی تفسیر و تشریح تھا۔ (ایضاً: ۳۲۸)

☆ اثر وحدیث کو لازم پکڑو اور حدیث کی تفسیر و تشریح کے لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اتباع کرو۔ (مناقب للموفق: ۳۲۹)

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسا فقیہ میری آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا۔ (ایضاً: ۳۱۷)

☆ اگر فقہ کا علم حاصل کرنا ہو تو کوفہ جا کر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مجالس میں شرکت کرو۔ (ایضاً: ۳۶۳)

☆ کوفہ کی دو چیزوں سے ساری دنیا نے فیض پایا ہے۔ وہ ہیں حمزہ کی قرأت اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ۔ (ایضاً: ۳۲۳)

مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (تمییز الصحیفہ: ۲۱)

یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ:

☆ خدا ہم سے جھوٹ نہ بلوائے، ہم نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ بہتر رائے کسی کی نہیں پائی اور ہم نے انکے بہت سے اقوال کو اختیار کیا ہے۔ (ایضاً: ۲۱)

☆ میں عمر بھر فقہی مسائل میں لوگوں پر چھایا رہا لیکن جب میں امام ابو حنیفہ سے ملا تو یوں محسوس ہوا کہ میں انکے سامنے کچھ بھی نہیں، وہ فقہ کے بلند ترین مقام پر ہیں۔ (مناقب للموفق: ۳۴۰)

امام اوزاعی رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مشکل سے مشکل تر مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

(تمییز الصحیفہ: ۳۴۰)

☆ یہ مشائخ میں جلیل و عظیم شیخ ہیں، ان سے علم حاصل کرو۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۷)

☆ میں ان کے علم کی کثرت اور عقل کی وسعت پر رشک کرتا ہوں۔ (ایضاً: ۱۰۸)

یزید بن ہارون رحمہ اللہ:

☆ کسی نے آپ سے پوچھا، سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ؟ فرمایا، سفیان ثوری حافظ حدیث ہیں اور امام ابو حنیفہ بڑے فقیہ۔ (تمییز الصحیفہ: ۱۹)

☆ میں نے بہت سے علماء دیکھے مگر کسی کو بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ عقلمند، افضل اور متقی نہیں پایا۔ (ایضاً: ۲۵)

☆ میں نے ان کے جتنے ہم عصر دیکھے سب کو یہی کہتے سنا کہ انہوں نے امام اعظم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (اخبار ابی حنیفہ: ۳۶)

☆ آپ سے پوچھا گیا، امام مالک کی رائے زیادہ پسندیدہ ہے یا امام ابو حنیفہ کی؟ فرمایا، احادیث تو امام مالک سے لکھ لیا کرو لیکن جب حدیث کی تفسیر فقہ کی روشنی میں سمجھنی ہو تو پھر امام اعظم ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

عبداللہ بن داؤد خرمی رحمہ اللہ:

☆ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کریں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے سنت و فقہ کی حفاظت فرمائی ہے۔ (ایضاً: ۲۱)

خلف بن ایوب رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو علم عطا فرمایا پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو علم سے سرفراز کیا پھر وہ علم تابعین میں منتقل ہوا، اس کے بعد علم سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ بہرہ ور ہیں۔ اب جس کا دل چاہے خوش ہو اور جس کا دل چاہے ناراض ہو۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۶)

حسن بن سلیمان رحمہ اللہ:

☆ حضور ﷺ کی حدیث لا تقوم الساعة حتی یظهر العلم (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک علم خوب ظاہر نہ ہو جائے) کی تفسیر یہ ہے کہ جب تک امام ابو حنیفہ کے علم کی تشبیہ نہ ہو جائے، قیامت نہیں آئے گی۔ (مناقب للموفق: ۳۹۵)



☆ میں نے مسائل فقہ میں ان سے زیادہ بلیغ گفتگو کرنے والا کسی کو نہ پایا اور نہ ان سے بڑھ کر مختصر کسی کا جواب دیکھا۔ بلاشبہ یہ اپنے زمانے کے متکلمین کے سردار ہیں۔ جو کوئی ان کی بدگوئی کرتا ہے وہ حسد ہی کے باعث کرتا ہے۔ (تمییز الصحیفہ: ۳۱)

علی بن عاصم رحمہ اللہ:

☆ اگر نصف دنیا والوں کی عقل ایک پلہ میں اور امام ابوحنیفہ ؒ کی عقل ترازو کے دوسرے پلے میں رکھی جائے تو امام ابوحنیفہ کی عقل زیادہ وزنی ہو گی۔

(فتاویٰ رضویہ ج: ۱: ۳۵)

سہل بن مزاحم رحمہ اللہ:

☆ جس نے بھی امام اعظم کی مخالفت کی، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ آپ کی بات کو نہ سمجھ سکا۔ (فتاویٰ رضویہ ج: ۱: ۱۲۳)

بکر بن حبیش رحمہ اللہ:

☆ اگر امام ابوحنیفہ ؒ اور ان کے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے تو امام اعظم ہی کی عقل وزنی نکلے گی۔ (ایضاً)

ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ:

☆ میں نے حدیث و فقہ میں سفیان ثوری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا تھا مگر جب میں نے امام ابوحنیفہ ؒ کو دیکھا تو مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ فقہ میں امام

اعظم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۰)

ابن جریج رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم کے وصال کی خبر سن کر کہا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ آج عالم اسلام سے علم چلا گیا۔ فقہ کا آفتاب غروب ہو گیا۔ (ایضاً: ۳۲۳)

☆ بیشک وہ فقیہ ہیں، بیشک وہ فقیہ ہیں، بیشک وہ فقیہ ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۸)

ابو عاصم حسن رحمہ اللہ:

☆ آپ سے پوچھا گیا، امام ابوحنیفہ بڑے فقیہ ہیں یا سفیان ثوری؟ فرمایا، امام اعظم کا شاگرد اور غلام بھی سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ ہے۔ (مناقب

للموفق: ۳۲۰)

☆ خدا کی قسم! وہ میرے نزدیک ابن جریج سے بھی زیادہ فقیہ ہیں، میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ فقہ پر قادر نہ پایا۔ (الخیرات: ۱۱۵)

وکیع بن الجراح رحمہ اللہ:

☆ میں نے امام ابوحنیفہ ؒ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر کوئی عابد و متقی دیکھا ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۲)

☆ میں جتنے لوگوں سے ملا ہوں، ان میں مجھے امام اعظم ؒ کے فیصلے بھاری نظر آئے ہیں۔ (ایضاً: ۳۶۷)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ:

☆ میرے نزدیک حمزہ کی قرأت اور امام اعظم کی فقہ نہایت پسندیدہ ہیں اور میری اس رائے سے تمام اہل علم متفق ہیں۔ (ایضاً: ۳۲۳)

☆ آپ سے پوچھا گیا، امام ابوحنیفہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا، اس قدر کافی ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث، امام شعبہ نے ان کو حدیث و

روایت کی اجازت دی اور امام شعبہ آخر امام شعبہ ہی ہیں۔ (سیرۃ النعمان: ۵۱)

☆ ہمارے زمانے میں فقہاء صرف چار ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی۔ امام ابوحنیفہ حدیث اور فقہ میں ثقہ تھے،

صادق تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین پر امین تھے۔ (مناقب للموفق: ۳۶۵)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام ابوحنیفہ ؒ پر کیونکہ وہ امام تھے۔

عبدالعزیز بن ابی رواد رحمہ اللہ:

☆ ہمارے زمانے میں تمام لوگوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی حق کا معیار تھے جو ان سے محبت کرتا ہم اس سے محبت کرتے۔ جو ان سے دوستی کرتا ہم اس کے دوست بن جاتے مگر جو ان سے بغض کرتا تو ہمیں یقین ہو جاتا کہ یہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

(مناقب للموفق: ۳۲۳)

شفیق بن عتبہ:

☆ میری آنکھوں نے امام ابوحنیفہ کی مثل کسی کو نہ دیکھا۔ (تمییز الصحیفہ: ۳۴)

ابوعبدالرحمن المقرئ رحمہ اللہ:

☆ آپ حدیث روایت کرتے وقت یوں فرماتے، حدثنا ابوحنیفہ شاہ مردان۔ (مناقب للموفق: ۳۲۳)

☆ جب ہم امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی کسی حدیث کو بیان کرتے تو ہم کہتے، حدثنا شاہنا۔ ہمارے بادشاہ نے ہم سے حدیث بیان فرمائی۔

(تمییز الصحیفہ: ۳۰)

ابوحزہ رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر مجھے تعجب ہوتا ہے کہ رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے رہتے ہیں اور دن بھر لوگوں کی مشکلات حل کرنے میں اور حدیث

سکھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ (مناقب للموفق: ۳۲۵)

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم اپنے وقت کے فقیہ ہی نہیں بلکہ فقہاء کے امام تھے۔ تقویٰ اور ورع میں آپ بے مثال تھے۔ اپنے مال کے ذریعے غریبوں کی مدد کرتے،

جو سائل آتا اسے خالی نہ جانے دیتے۔ شب و روز عبادت میں اور علم سکھانے میں مصروف رہتے۔ کم گوا اور خاموش طبع تھے۔ حلال و حرام کے مسائل پر

تفصیل سے گفتگو فرماتے اور بادشاہ اور امراء کے مال سے دور رہتے تھے۔ (ایضاً: ۱۱۱)

امام اعظم رحمہ اللہ:

☆ اے فقہائے اسلام! آپ لوگ عطار ہیں اور ہم دوا فروش مگر اے ابوحنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے گھیر لیے۔ (ایضاً: ۱۲۳)

☆ اگر علم فقہ صرف طلب اور ملاقات سے حاصل ہوتا تو میں آپ سے زیادہ فقیہ ہوتا لیکن فقہ تو اللہ کی عطا ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ (ایضاً: ۴۰۳)

☆ امام اعظم رحمہ اللہ نے کچھ ایسی علمی چیزیں پیش کی ہیں جو لوگ سمجھتے ہیں اور کچھ ایسی علمی چیزیں پیش کی ہیں جو لوگ نہیں سمجھتے اس لئے ان سے حسد

کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۲)

☆ ان کے علم میں برکت دی گئی ہے۔ (ایضاً: ۱۱۲)

امام مغیرہ رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درس میں بیٹھا کرو تم فقیہ بن جاؤ گے۔ اگر آج امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی صحبت اختیار کرتے۔ (مناقب

للموفق: ۳۲۷)

مسعر بن کدام رحمہ اللہ:

☆ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ کوفہ میں دو لوگوں سے حسد کیا جاتا ہے، امام اعظم سے ان کی فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح

سے زہد و عبادت کی وجہ سے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۹)

☆ جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امام ابوحنیفہ کو ڈال دیا، مجھے امید ہے اس کو کوئی ڈرنہ ہوگا اور اسے زائد احتیاط کی حاجت باقی نہ رہے گی۔

(الخیرات: ۱۱۰)



یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ میں ایسا اجتہاد کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح راہ دکھائی اور خواص و عوام نے ان کے علوم سے استفادہ کیا۔ امام شریک اور کوفہ کے دوسرے علماء ان کے سامنے طفل مکتب نظر آتے تھے جیسے بادشاہ کے سامنے غلام۔ (ایضاً: ۳۳۵)

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ:

☆ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو قضاۃ العلماء پایا یعنی وہ تمام محدثین اور فقہاء کے امام یا چیف جسٹس تھے۔ اگر کوئی شخص تمہیں امام اعظم کے خلاف بات کرتا ہوا ملے تو اس کی فضول باتوں کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دو۔ (ایضاً: ۳۴۱)

خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ:

☆ میں اپنی زندگی میں ہزاروں علماء و فقہاء سے ملا ہوں مگر ان میں مجھے صرف تین چار حضرات صاحب علم و بصیرت ملے۔ ان سب میں بلند پایا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں آپ کے سامنے تمام فقیہان علم طفل مکتب دکھائی دیتے تھے۔ آپ کا علم، فقہی بصیرت، زہد و تقویٰ سب پر حاوی تھا۔ (ایضاً: ۳۴۵)

ابراہیم بن رستم رحمہ اللہ:

☆ جس کو اپنی زندگی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علم حاصل نہیں ہوا، میرے نزدیک وہ جاہل ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۴۶)

یزید بن ابراہیم رحمہ اللہ:

☆ آپ سے پوچھا گیا، ایک عالم کب فتویٰ دینے کے قابل ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسا صاحب علم و بصیرت ہو جائے۔ عرض کی گئی، یہ تو ممکن نہیں۔ فرمایا، پھر ان کی کتابیں یاد کرے، ان پر گہری نظر رکھے اور ہر مسئلہ میں ان سے رہنمائی حاصل کرے۔ (ایضاً: ۳۴۴)

محمد بن میمون رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے میں ان سے زائد عالم، متقی، زاہد، عارف اور فقیہ کوئی نہ تھا۔ خدا کی قسم! مجھ کو ان سے علمی باتیں سننے کی بجائے کوئی شخص اگر ایک لاکھ دینار بھی دیتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۴)

ابراہیم بن فیروز رحمہ اللہ:

☆ میرے والد نے بتایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مسجد حرام میں بیٹھے دیکھا، آپ کے ارد گرد مشرق و مغرب کے علماء حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ آپ انہیں فتویٰ جاری کر رہے تھے حالانکہ حرمین شریفین میں بڑے بڑے علماء و فقہاء موجود تھے مگر امام اعظم کا فتویٰ سب کے لئے معتبر تھا۔ (مناقب للموفق: ۳۵۴)

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ:

☆ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجالس میں بیٹھا کرتا تھا، آپ جیسا صاحب بصیرت اور امور شریعت پر غور و فکر کرنے والا دوسرا کوئی نہیں دیکھا۔ مقاتل سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ جواب دینے کے بعد فرماتے، یہ کوفہ و شام کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ (ایضاً: ۳۵۵)

شقیق بنی رحمہ اللہ:

☆ آپ امام اعظم کا بکثرت ذکر کرتے اور ان کی تعریف کرتے رہتے۔ لوگوں نے عرض کی، آپ ہمیں ایسی بات بتائیں جس سے ہمیں فائدہ پہنچے۔ آپ نے فرمایا، افسوس تم نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ذکر کو فائدہ مند نہیں سمجھا۔ یاد رکھو امام ابوحنیفہ کا ذکر کرنا اور ان کی تعریف کرنا افضل اعمال سے ہے۔ (ایضاً: ۳۵۸)

قاضی شریک نخعی رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خاموش مزاج، مفکر و مدبر، فقہ میں دقیق نظر رکھنے والے، علمی و عملی باریک استنباطات کرنے والے اور لطیف بحث کرنے والے تھے۔

(الخیرات الحسان: ۱۱۵)

☆ میں نے امام اعظم رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم و فقیہ نہ پایا۔ جسے امام اعظم کی مجلس میسر نہیں ہوئی وہ علم میں ناکمل اور مفلس رہا۔ (مناقب للموفق: ۳۵۷)

داؤد طائی رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم ہدایت کا چمکتا ہوا ستارہ ہیں۔ ان سے راہ ہدایت پر چلنے والے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کا علم وہ ہے جسے اہل ایمان کے قلوب قبول کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۵)

امام شعبہ رحمہ اللہ:

☆ جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین اور ساتھی ہیں۔ (سیرۃ النعمان: ۵۱)

☆ آپ کو امام ابوحنیفہ کے وصال کی خبر ملی تو فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس! کوفہ سے علم کی روشنی بجھ گئی۔ اب ان جیسا کوئی پیدا نہ ہوگا۔ (مناقب للموفق: ۳۶۲)

☆ خدا کی قسم! آپ بہترین سمجھ اور اچھے حافظے والے تھے اس لئے لوگوں نے ان کی ایسی باتوں پر اعتراضات کئے جو آپ ان لوگوں سے زائد جانتے تھے۔ بخدا وہ ان کی سزا اللہ تعالیٰ کے پاس پائیں گے۔ امام شعبہ، امام ابوحنیفہ کے حق میں بہت زیادہ دعا فرماتے تھے۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۳)

سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وساطت سے علم کی روشنیاں لوگوں کے دلوں میں بھردی ہیں۔ فقہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسے آپ نے احادیث کی روشنی میں بیان نہ کیا ہو۔ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

محمد بن المروزی رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر رحمت فرمائے، اُن کی زبان جب کھلتی ہے، حق بولتی ہے۔ (ایضاً: ۳۶۸)

نضر بن شہیل رحمہ اللہ:

☆ لوگ فقہ کے معاملے میں خواب غفلت میں تھے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کو بیدار کیا اور فقہ کو خوب واضح کر کے بیان فرما دیا۔ (الخیرات الحسان: ۲۹)

سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ:

☆ آپ جب ارشاد فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ سمندر کی تہ سے موتی نکالنے والے غوطہ خور نے لوگوں کے سامنے موتیوں کے ڈھیر سجادیے ہیں۔ (مناقب للموفق: ۴۰۱)

ابن زیاد حسن رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ کا ایسا سمندر تھے جس کا کنارہ نہ تھا اور جس کی گہرائی کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (ایضاً: ۳۳۸)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ:

☆ میرا تمام علم فقہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم فقہ کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے دریائے فرات کی موجوں کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی نہر ہو۔ میں نے احادیث کی تفسیر کرنے میں امام اعظم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (مناقب للموفق: ۳۳۷)

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے اسلاف کے جانشین تھے، خدا کی قسم! انہوں نے روئے زمین پر اپنے جیسا عالم و فقیہ نہیں چھوڑا۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۱)

شداد بن حکیم رحمہ اللہ:

☆ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کی شکل میں انعامات نہ فرماتا تو ہم عملی طور پر مفلس اور محروم رہ جاتے۔ نہ ہم احادیث کو سمجھ پاتے اور نہ دین کے مسائل سے صحیح واقف ہوتے۔ (ایضاً: ۳۶۰)



☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ لوگوں میں سب سے عمدہ اور احسن فتویٰ دینے والے تھے۔

(تمیض الصحیفہ: ۳۴)

عیسیٰ بن یونس رحمہ اللہ:

☆ جو شخص بھی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شان میں گستاخی کرے، تم ہرگز اس کی تصدیق نہ کرو۔ خدا کی قسم! میں نے ان سے افضل، ان سے زائد متقی اور ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۱، الانقاء: ۱۳۶)

امام سیدی علی خواص شافعی رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علوم انتہائی دقیق ہیں، انہیں صرف بلند مرتبہ اہل کشف اولیاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج: ۱۲۳)

بن خلدون رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے ہیں۔ اسکی ایک دلیل یہ ہے کہ انکے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور رد و قبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔

(مقدمہ: ۲۲۵)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ:

☆ وہ امام ہیں، عراق کے فقیہ، اسلام کے اماموں میں سے اور بڑی شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۱۰: ۱۰۷)

امام محمد غزالی رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عابد و زاہد اور عارف باللہ تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور اپنے علم سے صرف اُس کی رضا چاہتے تھے۔ (احیاء العلوم ج: ۱: ۹۸)

امام شعرانی شافعی رحمہ اللہ:

☆ تم علم کے بغیر امام اعظم رحمہ اللہ کی شان میں بدگوئی کرنے والوں سے بچو ورنہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھاؤ گے کیونکہ امام اعظم قرآن و حدیث کے پابند تھے اور رائے سے بیزار تھے۔ جو امام اعظم کے مذہب کی تحقیق کرے گا وہ اسے سب سے زیادہ احتیاط والا پائے گا اور جو اس کے سوا کچھ اور کہے، وہ جاہل ہے۔

(کتاب المیزان الشریعہ الکبریٰ ج: ۱: ۶۳)

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ:

☆ اماموں کے امام، اہلسنت کے پیشوا، فقہاء کا شرف اور علماء کی عزت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ مجاہدہ و عبادت میں ثابت قدم بزرگ تھے اور تصوف و طریقت میں بھی بڑی شان کے مالک تھے۔ (کشف المحجوب: ۱۶۲)

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام اعظم ہیں، فقیہ عراق ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج: ۱: ۱۵۸)

☆ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَارْضَاهُ۔ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ آپ کو راضی کرے۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ: ۷)

☆☆☆☆

باب شش دہم (16)

مذہب حنفی کی وجہ ترجیح:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ملت اسلام پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے سب سے پہلے قواعد اجتہاد اور اصول فقہ کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے فقہ کو مرتب کیا جسے ہم فقہ حنفی یا مذہب حنفی کے نام سے جانتے ہیں۔

حنفی مذہب کو دیگر مذاہب ثلاثہ پر جو فوقیت اور برتری حاصل ہے اس کے چند اہم نکات پوش خدمت ہیں۔

1۔ حنفی مذہب، حدیث ہے:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں،

”جمہور محدثین کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا قول حدیثِ قولی ہے، آپ ﷺ کا فعل حدیثِ فعلی ہے اور اسی طرح جو کام آپ ﷺ کے سامنے کسی نے کیا اور آپ نے اس سے نہ روکا اور سکوت فرمایا، وہ حدیثِ تقریری ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال، افعال اور ان کا کسی کام سے نہ روکنا بھی احادیث ہیں۔“

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تابعی کا قول حدیثِ قولی ہے، اس کا فعل حدیثِ فعلی ہے اور اس کا کسی کے قول یا فعل پر سکوت فرمانا حدیثِ تقریری ہے، تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول، فعل اور سکوت بھی حدیث قرار پایا کیونکہ آپ تابعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ میں سے یہ فضیلت صرف امام اعظم رحمہ اللہ ہی کو عطا فرمائی۔

آپ ۷۰ یا ۷۱ یا ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، کئی صحابہ کا زمانہ پایا، بیس سے زائد صحابہ کرام کی زیارت کی اور یہ بات بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث سنی ہیں۔ اس پر تفصیلی گفتگو پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذہب حنفی درحقیقت حدیث ہی ہے۔

2۔ حضرت علی رحمہ اللہ کی دعا:

یہ بات کتاب کے آغاز ہی میں تحریر کی گئی کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے دادا اپنے نومولود بیٹے ثابت کو لیکر سیدنا علی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی رحمہ اللہ نے انکے لیے اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پوتے اسماعیل بن حماد رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”نحن نرجو ان يكون الله تعالى قد استجاب لعلیٰ فینا۔“ ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رحمہ اللہ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔ (تمییز الصحیفہ: ۵)

یہ حضرت علی رحمہ اللہ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمہ اللہ کے گھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پیدا ہوئے اور امام الاولیاء شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رحمہ اللہ کی دعائے برکت کی مقبولیت کی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے مذہب حنفی کو عالم اسلام کا سب سے بڑا مذہب بنا دیا۔ محدث علی قاری نے گیارہویں صدی ہجری میں حنفی مذہب کے مقلدین کو تمام اہل اسلام کا دو تہائی قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱: ۲۴)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”کسی تکلف اور تعصب کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ کشف کی نظر میں مذہب حنفی ایک عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہری نظر سے بھی دیکھا جائے تو امت مسلمہ کا سوا اسی اعظم امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا پیروکار ہے۔“ (مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵)

3۔ نبوی بشارات:

امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب کی فضیلت اور فوقیت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ کے علم و فضل کی تعریف میں احادیث مبارکہ موجود ہیں جن کا تفصیلی ذکر کتاب کے آغاز ہی میں کیا جا چکا ہے۔ اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:-

بخاری و مسلم میں آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے، ”لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَازَلَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسَ۔“ اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، ”لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ حَتَّى يَتَنَازَلَهُ۔“ اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تو مردانِ فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اس کو حاصل کر لے گا۔



امام سیوطی شافعی اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بخاری و مسلم کی ان احادیث سے امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کو مراد لیا ہے کیونکہ فارس کے علاقوں سے کوئی ایک شخص بھی امام اعظم جیسے علم و فضل کا حامل نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو آپ جیسا بلند مقام نصیب ہوا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی شان میں آقا و مولیٰ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ:-  
انه قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة - ”دنیا کی زینت ایک سو پچاس سن بھری میں اٹھالی جائے گی۔“ اس حدیث کی شرح میں شمس الائمہ امام کروری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ پر صادق آتی ہے کیونکہ نامور ائمہ دین میں سے آپ ہی کا انتقال اس سن میں ہوا۔  
(الخيرات الحسان: ۵۳)

4۔ صحیح حدیث مذہب حنفی ہے:  
امام اعظمؒ کا ارشاد ہے، ”جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے۔“  
چونکہ آپ نے بلا واسطہ صحابہ کرام سے احادیث سنیں یا تابعین کرام سے، اور ان میں کوئی راوی ضعیف نہیں اس لیے آپ تک پہنچنے والی تمام احادیث صحیح ہیں اور آپ کا مذہب صحیح احادیث کے مطابق ہے۔

مذہب شافعی کے مقلد امام شعرانی رحمہ اللہ کی گواہی ملاحظہ کیجیے۔ آپ فرماتے ہیں،  
”اگر امام اعظمؒ اور رسول کریم ﷺ کے درمیان راوی صحابہ اور تابعین ہیں تو پھر امام اعظم کے بعض دلائل کو ضعیف احادیث پر مبنی کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن راویوں کو ضعیف کہا گیا ہے وہ امام اعظم کے وصال کے بعد کے راوی ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو امام اعظم کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے روایت کیا ہے کیونکہ امام اعظم کی اسانید ثلاثہ میں جتنی احادیث ہیں، وہ سب صحیح ہیں کیونکہ اگر وہ احادیث صحیح نہ ہوتیں تو امام اعظم ان سے کبھی استدلال نہ کرتے۔ اور امام اعظم کی سند کے نچلے راویوں میں سے کسی راوی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی گئی ہو تو اس سے امام اعظم کی حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس حدیث سے مجتہد و امام نے استدلال کیا ہے اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم اس حدیث پر عمل کریں خواہ اس کو کسی اور نے روایت نہ کیا ہو۔  
جب تک امام اعظم کی مسانید ثلاثہ میں انکے مذہب کی دلیل دیکھ نہ لی جائے اور یہ یقین نہ ہو جائے کہ انکی دلیل ان مسانید میں موجود نہیں ہے اس وقت تک انکے مذہب کی کسی دلیل کو ضعیف نہ کہا جائے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ انکے بعد کے علمائے احناف نے مذہب حنفی پر جو دلائل قائم کیے ہیں ان میں سے کوئی دلیل کسی ضعیف حدیث پر مبنی ہو لیکن امام اعظمؒ کا دامن اس سے بری ہے۔“

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱: ۶۵ طبع مصر)

5۔ قرآن حکیم سے مطابقت:  
مذہب حنفی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے ان میں امام اعظمؒ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ نہایت مضبوط دلائل پر مبنی اور اصول عقل کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ہم اگلے عنوان ”مذہب حنفی اور قرآن“ کے تحت یہ ثابت کریں گے کہ فقہ حنفی کے مسائل قرآنی آیات سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ امام اعظمؒ کو اجتہاد میں دیگر ائمہ کرام پر نمایاں فضیلت حاصل ہے۔

6۔ حدیث کی اتباع:  
اسی طرح امام اعظمؒ حدیث کی اتباع اور سنت کی پیروی میں دیگر ائمہ سے بہت آگے ہیں۔ اسکے دلائل یہ ہیں:-

۱) امام اعظمؒ حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں جبکہ امام شافعیؒ حدیث مرسل پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔  
۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔ امام اعظمؒ صرف قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں جبکہ امام شافعیؒ قیاس کی ان چاروں قسموں کو حجت مانتے ہیں۔

﴿۳﴾ امام اعظمؒ کو احادیث کی اتباع سے استقامت ہے کہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف احادیث پر بھی عمل فرماتے ہیں۔

## 7۔ فطرت کا لحاظ:

اسلام، دین فطرت ہے اس بناء پر ایسے مسائل میں جہاں کوئی نص موجود نہ ہو یا روایات مختلف ہوں تو مذہب حنفی میں عام طور پر فطری تقاضوں کو وجہ ترجیح قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مسواک کے متعلق عند کل صلاۃ کی روایت کے مقابلے میں عند کل وضوء کو اس لیے ترجیح حاصل ہے کہ یہ روایت فطری تقاضے کے قریب تر ہے۔ چونکہ مسواک فطری طور پر منہ اور دانتوں کی صفائی کے کام آتی ہے اور صفائی طہارت کا جزو ہے اس لیے احناف کے نزدیک مسواک وضو کی سنت ہے جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے۔

اسی طرح مذہب حنفی میں نماز میں قیام کے دوران ہاتھ ناف پر رکھنے کے مقابلے میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ فطری طور پر انسان تعظیم کے موقع پر ہاتھ سیدھے کر کے ناف سے نیچے رکھتا ہے۔ یونہی مطلقہ باندھ عورت کے لیے دیگر ائمہ کرام کے برعکس احناف، نان نفقہ اور رہائش کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ فطری تقاضا ہے کہ اپنے حق میں کسی کو پابند کرنے والا، اس پابند شخص کی ضروریات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بقول نعمانی کے، ”حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں“۔ تفصیل کے لیے امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح معانی الآثار ملاحظہ فرمائیں۔

## 8۔ آسانی اور سہولت:

فرمان الہی، یرید اللہ بکم اليسر ولا یزید بکم العسر (اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا) کے مصداق امام اعظم نے فرض اور حرام کی تعریفات میں سخت قیود لگا کر لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ آپ کے نزدیک فرض و حرام کا اثبات ایسی نص سے ہوتا ہے جو ثبوت اور دلالت دونوں اعتبار سے قطعی ہو۔ اسی طرح امام اعظم کے وضع کردہ دیگر اصولوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حنفی فقہ دیگر فقہوں کے مقابلے میں نہایت آسان اور نرمی پوٹتی ہے۔

مثلاً قرآن میں مطلقاً رکوع اور سجدے کا ذکر ہے اس لیے رکوع کے لیے منہ کے بل جھک جانا اور سجدے کے لیے زمین پر پیشانی لگا دینا کافی ہے۔ اس سے زائد کوئی کیفیت مثلاً اطمینان کے ساتھ ٹھہرنا یا اعتدال فرض نہ ہوگا۔

اسی طرح امام اعظم نے ہر نماز کی ادائیگی کے لیے اسی وقت کو افضل فرمایا ہے جس میں فطری طور پر انسان کے لیے سہولت ہے۔ جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز میں جلدی افضل ہے۔ یونہی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ امام صاحب نے چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کو ایک حد تک گراں قدر مال کی چوری سے مشروط کیا ہے۔ احناف کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء کی رائے یہی ہے، کہ لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت امام اعظم ہی کی فقہ میں ہے۔ (المیزان الکبریٰ)

## 9۔ جامعیت:

کسی ضابطے کا اپنی تمام جزئیات پر یکساں منطبق ہونا جامعیت کہلاتا ہے۔ احناف کا اصول یہ ہے کہ اگر نص کے مختلف معانی یا متعدد روایات ہوں تو اس کا وہ معنی یا وہ روایت قابل ترجیح ہوگی جس میں جامعیت ہو۔ مثال کے طور پر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے متعلق دو روایات ہیں۔

ایک میں ہے، ”سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی“۔ اور دوسری میں ہے، ”جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے“۔

اگر مقتدی کے لیے پہلی روایت پر عمل ضروری سمجھا جائے تو جامعیت نہ ہوگی کیونکہ جہری نماز میں فاتحہ کے بعد یا رکوع میں کوئی مقتدی جماعت میں شامل ہوا تو اسکے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا ممکن نہیں۔ لہذا یہ حکم جامع نہ رہا۔ اگر مقتدی کے لیے دوسری روایت پر عمل ضروری مانا جائے تو یہ حکم جامع رہے گا۔ کیونکہ یہ فاتحہ کے دوران یا بعد یا رکوع میں شامل ہونے والے تمام افراد کو جامع ہے۔ پس مقتدی کے لیے دوسری روایت کو ترجیح ہوگی۔

## 10۔ احتیاط اور تقویٰ:

مذہب ثلاثہ کی نسبت امام اعظم کے مذہب میں احتیاط و تقویٰ کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ گویا جن معاملات میں ائمہ کا اجتہادی اختلاف ہے ان میں اگر امام اعظم کے موقف کا تجزیہ کیا جائے تو آپ کا نکتہ نظر ہی مبنی بر احتیاط نظر آئے گا۔ مثلاً خون بہہ جانے یا نکسیر پھوٹ نکلنے سے امام اعظم کے نزدیک وضو



ٹوٹ جاتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کسی کے نزدیک بھی خون بہنے کے بعد دوبارہ وضو کرنا منع نہیں۔ اگر دوبارہ وضو نہ کیا جائے تو مذہب حنفی کے مطابق نماز نہ ہوگی۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ دوبارہ وضو کر لیا جائے تاکہ سب کے نزدیک نماز ہو جائے۔

اسی طرح بعض ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں جبکہ امام اعظم کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں۔ ایک رکعت وتر والے تین رکعت وتر کے بھی قائل ہیں۔ پس اگر کوئی ایک رکعت پڑھے تو امت کے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز نہ ہوگی جبکہ تین رکعت پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز وتر ہو جائے گی۔ یونہی اگر کوئی آٹھ تراویح پڑھے تو صحابہ کرام اور ائمہ دین کے نزدیک اسکی نماز تراویح نہ ہوگی جبکہ بیس رکعت پڑھنے سے سب کے نزدیک تراویح ادا ہو جائے گی۔

اسی طرح امام اعظم کے نزدیک کنویں میں کوئی جانور گر کر مر جائے تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے، اب وہ پانی نکالنے سے پاک ہوگا جبکہ بعض کے نزدیک کنواں ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا ذائقہ نہ بدل جائے۔ احتیاط اور تقویٰ یقیناً کنویں سے پانی نکالنے میں ہے جس کو کوئی بھی ناجائز نہیں کہتا اور یوں سب کے نزدیک اس پانی سے وضو غسل جائز ہوگا۔ پس مذہب حنفی زیادہ احتیاط اور تقویٰ پر مبنی ہے۔

## 11۔ شورائی مذہب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، "وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"۔ "اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے"۔ (الشوریٰ: ۳۸، کنز الایمان)  
قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ صحابہ کرام کے معاملات باہمی مشوروں سے طے ہوتے تھے۔ حضرت امام حسن ؓ کا ارشاد گرامی ہے، "جو قوم مشورہ کرتی ہے وہ صحیح راہ پر پہنچتی ہے"۔ (تفسیر خزان العرفان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، "شاوروا فیہ الفقہاء العابدین ولا تمضوا فیہ رای خاصہ"۔ "جس مسئلے میں قرآن و سنت میں واضح حکم نہ ہو، اس میں تم عبادت گذار فقہاء سے مشورہ کر لیا کرو اور کسی کی شخصی رائے پر نہ چلو"۔ (مجمع الزوائد، جلد اول باب الاجماع)

قرآن و حدیث کے ان احکامات کی پیروی کرتے ہوئے امام اعظم ؒ نے فقہ حنفی کی تدوین کے لیے چالیس جید فقہاء پر مشتمل ایک مجلس قائم کر رکھی تھی۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ ان سے مشورہ اور تبادلہ خیال کرتے، انکے دلائل سنتے اور اپنے دلائل پیش کرتے یہاں تک کہ مسئلہ طے ہو جاتا اور اسے تحریر کر لیا جاتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ ؒ نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شورائی پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی، اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور اللہ عز و جل اور اسکے محبوب رسول ﷺ سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔

گویا فقہ حنفی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ انفرادی نہیں بلکہ شورائی فقہ ہے جبکہ دیگر ائمہ کرام کی فقہائے انفرادی اجتہاد کا نتیجہ ہے۔  
مذہب حنفی اور قرآن:

"ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جن سے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے ان کے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابو حنیفہ نے قرار دیے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اس لیے ان کا تجزیہ تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔"

وضو کا حکم قرآن کریم کی اس آیت میں وارد ہوا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔

"اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ وحوۃ اور کہنیوں تک ہاتھ، اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ"۔ (المائدہ: ۶،

کنز الایمان)

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ دو فرض کا اور اضافہ کرتے ہیں۔ یعنی نیت اور ترتیب، امام مالک رحمہ اللہ بجائے ان کے موالا کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور اگر قصد اُنہ کہا تو وضو باطل ہے۔

امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اس لیے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و مولات و تسمیہ کا تو آیت میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے محققاً طے کر دیا ہے کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب اخل نہیں۔“

علامہ عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رکوع و سجود کے حکم میں تعدیل ارکان کو فرض کے درجے میں شامل کرنا جائز نہیں، اسی طرح آیت وضو میں اعضاء کو پے در پے دھونا، ترتیب کے ساتھ دھونا، آغاز میں بسم اللہ پڑھنے اور نیت کرنے کو شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔“ (المنار متن نور الانوار، ج ۱: ۳۰)

اس عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ خیر واحد سے قرآنی حکم پر اضافہ فرض یا شرط کے طور پر جائز نہیں مگر وجوب اور استحباب کے درجے میں جائز ہے۔ تعدیل ارکان سے مراد رکوع، سجود، قوما اور جلسہ میں اطمینان کے ساتھ ٹھہرنا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ واجب ہے مگر فرض یا شرط نہیں کیونکہ یہ خبر واحد سے ثابت ہے۔

اسی طرح وضو میں ترتیب، تسمیہ اور نیت بھی خبر واحد سے ثابت ہیں اس لیے یہ وضو کی سنتوں میں سے ہیں، فرائض یا شرائط میں سے نہیں کیونکہ انکا ثبوت آیت قرآنی یا خبر متواتر سے نہیں ہے۔

”امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کے لیے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کا رتبہ تاویل سے بڑھ کر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ لما غسلا وجوہکم میں حرف فاقعوب کے لیے ہے جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا پہلے دھونا فرض ہے جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہیے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے۔ اس لیے اس کی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونی چاہیے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جس طرح خلاف عقل ہے ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں، خود ظاہر ہیں اس پر رد و قدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں، وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا۔ یعنی ”اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کسی شخص غائط سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کر لو۔“

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے۔ اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا۔ لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ ’مس‘ جس کے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامتہ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اس کو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں ورنہ ظاہری معنی لیے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص نشیپ زمین سے ہو کر آئے، اس پر وضو کرنا واجب ہے۔

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن اس کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے کہ وہ حدیث سے استناد کرتے ہوئے، غالباً اُنکے بعد ان کے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلے کے لیے آیت سے استدلال کیا اور اس کو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں، امام مالک و امام شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لیے نیا تیمم کرنا چاہیے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے۔ اور جب ہر نماز کے لیے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی



ضرورت نہیں۔ البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو اور تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی، محض بے وجہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں تیمم کو اگر پانی مل جائے تو تیمم جاتا رہے گا۔ امام مالک و امام احمد بن حنبل اس کے مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ يَجِدْ وَامَاءً یعنی جب پانی نہ ملے۔ صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہ رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔“ (سیرۃ النعمان: ۳۰۵ تا ۳۰۲)

امام صاحب کا مذہب ہے کہ قرأت فاتحہ ضروری نہیں، امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں، امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، یعنی ”جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو“۔

اگرچہ اس آیت سے سزائی نمازوں میں بھی ترک قرأت کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسی صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں داخل ہیں وہ خود متعارض ہیں۔ جس درجہ کی وجوب قرأت کی حدیثیں ہیں اسی درجہ کی ترک قرأت کی حدیثیں بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔“

(سیرۃ النعمان: ۳۰۶)

ایک اہم مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ چاروں ائمہ مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہی بار تین طلاق دے دے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی۔ ان میں صرف اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مشروع ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حرام اور ممنوع ہے اور اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہے۔

سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت مبارکہ سے ہے، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ (البقرة: ۲۲۹)

”یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے (یعنی رجعت کر لینا ہے) یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔“

امام اعظم رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف یہی شرعی طلاق کا طریقہ ہے یعنی ایک وقت میں ایک یا دو بار تک طلاق دی جاسکتی ہے۔ احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آپ یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا، ”لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیل کرتے ہیں حالانکہ میں تمہارے درمیان ابھی موجود ہوں۔“ (نسائی ج ۲: ۱۸۱)

معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا گناہ ہے اور اللہ عز و جل اور اس کے رسول ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔ حضور ﷺ اسی لیے ناراض ہوئے کہ اس شخص نے قرآن و سنت کے خلاف طریقے سے طلاق دے کر گناہ کا ارتکاب کیا۔

ضمناً یہ بات عرض کرنی ضروری ہے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ حضرت عویمرحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آقا و مولیٰ ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (ابوداؤد، ج ۱: ۳۰۶)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں، ”جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔“ حضرت عمر رحمہ اللہ کے دور میں جو تین طلاق ایک ساتھ دیتا، آپ اسے درے مارے مارتے تھے۔ (نوی شرح مسلم کتاب الطلاق)

کسی نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں سوال کیا، کہ اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں یا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا (غیر مقلدین

کے بقول) کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں تو حضرت عمرؓ کہاں سے یہ حکم لائے اور اس پر اجماع کیوں ہوا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا، حضرت عمرؓ یہ حکم وہاں سے لائے جہاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر فاروقؓ کے متعلق فرمایا ہے، لعلمہ الذین یستنبطونہ منکم۔ (القرآن: ۸۳/۴) ”حکم کو معلوم کر لیں گے وہ لوگ جو استنباط کریں گے تم میں سے“۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲: ۴۵۹)

☆☆☆☆

## باب ہفت دہم (۱۷)

حضور ﷺ کی نماز اور فقہ حنفی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، ”یشک تمہیں رسول اللہ ﷺ کی پیروی بہتر ہے، اسکے لیے کہ اللہ اور آخرت کی اُمید رکھتا ہو“۔ (الاحزاب: ۲۱، کنز الایمان)

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھو“۔ (بخاری)

آقا و مولیٰ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے شریعت اخذ کر کے ہم تک پہنچانے کا فریضہ ائمہ اربعہ نے انجام دیا جن میں امام اعظمؒ سب سے اول ہیں کیونکہ آپ تابعی ہیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔ آپ نے چھبیس صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث سنی ہیں۔

محدثِ دکن مولانا انوار اللہ شاہ رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کی طرح فقہ حنفی کے مطابق احادیث جمع کر کے ”زجاجۃ المصابیح“ کے نام سے ”حنفی مشکوٰۃ“ مرتب کی ہے جس کا اردو ترجمہ فرید بک اشال لاہور شائع کر رہا ہے۔ حنفی فقہ کے مطابق طریقہ نماز پر تفصیلی احادیث جاننے کے لیے زجاجۃ المصابیح کا مطالعہ فرمائیے۔ فی الوقت، اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے چند احادیث پیش خدمت ہیں:-

۱- تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائیں:

☆ حضرت مالک بن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ وہ کانوں کے برابر ہو جاتے۔ (صحیح مسلم ج ۱: ۱۶۸، نسائی ج ۱: ۱۰۴، ابن ماجہ: ۶۲)

☆ حضرت وائل بن حجرؓ نے فرمایا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۱: ۱۷۳، مسند امام اعظم: ۸۶)

☆ اس حدیث کو نسائی، طبرانی، دارقطنی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

(زجاجۃ المصابیح باب صفۃ الصلوٰۃ ج ۱: ۵۶۹)

☆ حضرت عبدالجبار بن وائلؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر بلند کرتے کہ آپ کے ہاتھوں کے انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے مقابل ہو جاتے۔

(نسائی ج ۱ ص ۱۰۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۴، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۵)

☆ امام حاکم نے حضرت انسؓ سے اسی طرح روایت کی اور فرمایا، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور اسمیں کوئی ضعف نہیں ہے۔

(مستدرک للحاکم ج ۱: ۲۲۶، سنن دارقطنی ج ۱: ۳۳۵)

☆ حضرت وائلؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تم نماز ادا کرو تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر کرو اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ ہاتھوں کو سینے کے برابر کریں۔



(نماز حبیب کبریا: ۷۹، بحوالہ معجم طبرانی کبیر ج ۲۲: ۱۸)

2- نماز میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھیں:

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، سنت یہ ہے کہ نماز میں ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(ابوداؤد مطبوعہ مصر ج ۱: ۴۸۰، مسند احمد ج ۱: ۱۱۰، سنن دارقطنی ج ۱: ۲۸۶،

..... سنن الکبریٰ ج ۲: ۳۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۳۹۱، زجاجہ ج ۱: ۵۸۴)

☆ حضرت وائلؓ فرماتے ہیں، میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۳۹۰، زجاجہ المصنح ج ۱: ۵۸۴)

☆ حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ میں آقا و مولیٰ ﷺ کو ضرور دیکھوں گا کہ وہ کس طرح نماز ادا فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہہ کر اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا پھر آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھا کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے جوڑ کو پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ کی باقی تین انگلیاں کلائی پر تھیں۔

(سنن نسائی باب فی الامام اذرائی رجلا، زجاجہ المصنح ج ۱ ص ۵۸۳)

3- امام کے پیچھے قرأت کرنا منع اور ناجائز ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم ہو“۔ (الاعراف: ۲۰۳، کنز الایمان از امام احمد رضا محدث بریلوی)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، ”اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔“

☆ ”جمہور صحابہ و تابعین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ نماز سے متعلق ہے یعنی مقتدی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔“

(تفسیر مدارک التنزیل، زجاجہ المصنح باب القراءة فی الصلوٰۃ)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱: ۱۷۴)

☆ حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نے نماز سکھائی اور فرمایا، جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (صحیح مسلم ج ۱: ۱۷۴)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اسکی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ [یہ حدیث صحیح ہے۔ زجاجہ المصنح ج ۱: ۶۲۸]

(ابوداؤد ج ۱: ۸۹، نسائی ج ۱: ۹۳، ابن ماجہ: ۶۳، مسند احمد ج ۲: ۳۷۶)

☆ امام بخاری کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاقؓ (م ۲۲۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (مصنف امام عبدالرزاق ج ۲: ۱۳۹)

☆ مشہور کا تب وحی حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں قرأت نہ کی جائے (خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری)۔

(صحیح مسلم ج ۱: ۲۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۳۷۶)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں، جب تم امام کے پیچھے نماز پڑھو تو تمہیں امام کی قرأت کافی ہے اور جب اکیلے نماز پڑھو تو قرأت کرو۔

(موطا امام مالک باب ترک القراءة خلف الامام: ۶۸، موطا امام محمد: ۹۴)

☆ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے۔

(مسند امام اعظم: ۱۰۲، ابن ماجہ: ۶۱، سنن دارقطنی ج ۱: ۳۲۴)

..... سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲: ۱۵۹، مصنف عبدالرزاق ج ۲: ۱۳۶

☆ یہ حدیث صحیح ہے اور اسکے راوی بخاری و مسلم کی شرط کے موافق ہیں۔

(زجاج المصباح ج ۱: ۶۳۳)

مذکورہ آیت قرآنی اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کی قرأت ہی مقتدیوں کی قرأت ہے۔

4- امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا سنت ہے:

فرمان الہی ہے، اذْعُوا رَبُّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً - ”اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے (عاجزی سے) اور آہستہ۔“ (الاعراف: ۵۵، کنز الایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ دعا آہستہ آواز میں مستحب ہے۔ آمین کے معنی ہیں ”اے اللہ! اسے قبول فرما“۔ پس آمین دعا ہے اور اسے آہستہ ہی کہنا چاہیے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اسکے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(صحیح بخاری ج ۱: ۱۰۸، صحیح مسلم ج ۱ باب القسم والتمجید والتأیید)

اس حدیث میں فرشتوں کے موافق آمین کہنا مذکور ہے۔ سوال یہ ہے کہ فرشتوں کا آمین کہنا بلند آواز سے ہے یا آہستہ؟ یقیناً فرشتوں کا آمین کہنا آہستہ ہے اسلیے موافقت کی یہی صورت ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے۔ یہی حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔

☆ حضرت علقمہ بن وائل ؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آہستہ آواز میں آمین کہی۔ (جامع ترمذی ابواب الصلوٰۃ، جلد ۱: ۶۳)

☆ اسے امام حاکم، امام احمد، ابوداؤد الطیالسی، ابویعلیٰ، طبرانی اور دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا، یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے۔

(مستدرک للحاکم ج ۲: ۲۳۲، زجاج المصباح ج ۱: ۶۵۲)

☆ حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں، امام کو چار چیزیں آہستہ کہنی چاہئیں۔ ثناء (سبحانک اللہم)، تعوذ (اعوذ باللہ)، تسمیہ (بسم اللہ) اور آمین۔

(مصنف امام عبدالرزاق ج ۲: ۸۷)

☆ حضرت ابراہیم نخعی ؓ فرماتے ہیں، امام چار چیزیں آہستہ کہے، ثناء، تعوذ، تسمیہ اور آمین۔ امام محمد بن حسن نے فرمایا، یہی امام اعظم ابوحنیفہ ؓ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار: ۱۶، مصنف عبدالرزاق ج ۲: ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲: ۵۳۶)

5- نماز میں رفع یدین جائز نہیں، منسوخ ہے:

☆ حضرت جابر بن سمرہ ؓ فرماتے ہیں کہ آقا و مولیٰ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا، ”میں دیکھتا ہوں کہ تم نماز کے دوران رفع یدین



کرتے ہو جیسے سرکش گھوڑے اپنی دُم میں ہلاتے ہیں، نماز سکون سے ادا کیا کرو۔“

(صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ، ج ۱: ۱۸۱، سنن نسائی ج ۱: ۱۷۶)

☆ حضرت علقمہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا، کیا میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی طرح نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱: ۱۰۹، سنن نسائی ج ۱: ۱۱۹، شرح معانی الآثار ج ۱: ۱۳۲،

..... مصنف امام عبدالرزاق ج ۲: ۷۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۲۳۶)

☆ امام ترمذی فرماتے ہیں، ”یہ حدیث حسن ہے اور نبی کریم ﷺ کے متعدد صحابہ اور تابعین کرام اسی کے قائل ہیں۔“ (جامع ترمذی ج ۱: ۶۴)

☆ حضرت براء ؓ فرماتے ہیں، رسول کریم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھاتے اور پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

(ابوداؤد ج ۱: ۱۰۹، شرح معانی الآثار ج ۱: ۱۳۲، سنن دارقطنی ج ۱: ۲۹۳، ابن ابی شیبہ ج ۱: ۲۳۶)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں، میں نے آقا و مولیٰ ﷺ، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، ان میں سے کسی نے بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کیا۔ (سنن دارقطنی ج ۱: ۲۹۵، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲: ۸۰)

☆ امام بخاری کے استاد امام ابوبکر ابن ابی شیبہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ؓ بھی نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور اسکے بعد رفع یدین نہیں کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۲۳۶، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲: ۸۰)

امام طحاوی (م ۲۰۰ھ) نے اسکی سند کو صحیح فرمایا ہے۔ (طحاوی باب التکبیرات)

☆ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کے استاد امام حمیدی (م ۲۱۹ھ) روایت کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے اور پھر رکوع کے وقت اور رکوع کے بعد رفع یدین نہ کرتے۔ (مسند حمیدی ج ۲: ۲۷۷)

☆ حضرت مجاہد ؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے سوا نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

امام طحاوی نے فرمایا، یہی عبداللہ بن عمر ؓ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا (جسکا ذکر بخاری و مسلم میں ہے) پھر خود انہوں نے رفع یدین ترک کر دیا کیونکہ وہ منسوخ ہو گیا تھا۔

(شرح معانی الآثار ج ۱: ۱۳۳، زجاجہ ج ۱: ۵۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۲۳۷)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں، وہ دس صحابہ کرام جنہیں آقا و مولیٰ ﷺ نے جنت کی بشارت دی یعنی عشرہ مبشرہ میں سے کوئی بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ (عمدة القاری شرح بخاری ج ۵: ۲۷۲)

☆ حضرت محمد بن عمرو بن عطاء ؓ فرماتے ہیں، میں صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے رسول کریم ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو ابو حمید ساعدی ؓ فرمانے لگے، میں تم سب سے زیادہ آقا و مولیٰ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور کمر کو برابر کرتے پھر رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ آ جاتا۔

پھر آپ سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو زمین پر بچھائے بغیر رکھتے اور ان کو پہلوؤں سے نہ ملاتے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھتے۔ آپ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے۔

(صحیح بخاری جلد اول باب سہ الجلوس فی التشہد)

صحیح بخاری کی اس حدیث میں صحابی رسول ﷺ نے حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ

ہو چکا تھا۔

☆ حضرت عبدالرحمن بن غنم ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابومالک اشعری ؓ نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا، میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی نماز سکھاؤں گا جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے..... (الی)

پس مردوں نے انکے نزدیک صف باندھی پھر مردوں کے پیچھے بچوں نے صف باندھی پھر انکے پیچھے عورتوں نے صف باندھی۔ پھر کسی نے اقامت کہی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر سورۃ فاتحہ اور اسکے ساتھ کوئی سورت خاموشی سے پڑھی پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور تین بار تسبیح پڑھی۔ پھر مع اللہ لمن حمد کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے،

اس طرح پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہوئیں۔ پس جس وقت نماز پڑھا چکے تو لوگوں سے فرمایا، میری تکبیروں کو یاد کر لو اور میرے رکوع و سجود سیکھ لو کیونکہ یہ آقا کریم ﷺ کی وہ نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اس حصہ میں پڑھایا کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۵: ۳۴۳، مجمع الزوائد ج ۲: ۱۳۰)

اس حدیث شریف میں بھی جلیل القدر صحابی نے رسول کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور فرمایا، یہ مدینے والی نماز ہے۔ اس میں رفع یدین کا کہیں ذکر نہیں جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔

6- نماز وتر تین رکعت ہیں:

☆ امام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے، انکا حسن اور طوالت نہ پوچھو پھر آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے پھر آپ تین رکعت (وتر) ادا فرماتے۔ (بخاری کتاب التہجد ج ۱: ۱۵۴، مسلم ج ۱: ۲۵۴)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ دو دو رکعت کر کے چھ رکعت (تہجد) پڑھی اور اسکے بعد آپ نے تین رکعت وتر ادا کیے۔ (صحیح مسلم ج ۱: ۲۶۱)

☆ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا، اہل علم صحابہ و تابعین کرام کا یہی مذہب ہے۔ (جامع ترمذی ابواب الوتر ج ۱: ۱۱۰، زجاجۃ المصاحح باب الوتر ج ۲: ۲۶۳)

☆ حضرت ابی بن کعب ؓ فرماتے ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ نماز وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے اور تینوں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ (سنن نسائی ج ۱: ۱۷۵)

☆ امام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، آقا و مولیٰ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور تینوں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ امام حاکم نے کہا، یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (مستدرک للحاکم کتاب الوتر ج ۱: ۳۰۴)

7- نماز تراویح بیس رکعت ہیں:

ماہ رمضان المبارک میں روزانہ بعد عشاء بیس رکعت نماز تراویح ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ ”تراویح“ ترویج کی جمع ہے جس کے معنی استراحت و آرام کے ہیں۔ چونکہ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے اس لیے اسے تراویح کہتے ہیں۔ عربی میں جمع کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے۔ نماز تراویح اگر آٹھ رکعت ہوتی تو دو ترویج ہونے کے باعث اسے ”ترویجین“ کہا جاتا لیکن چونکہ یہ بیس رکعت یعنی پانچ ترویج ہیں اس لیے انہیں تراویح کہا جاتا ہے۔ جن روایات میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے گیارہ رکعت نماز ادا کی، اس سے مراد آٹھ رکعت تہجد اور تین وتر ہیں۔

☆ حضرت یزید بن رومان ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں رمضان میں لوگ تیس (۲۳) رکعت (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ادا کرتے تھے۔



(موطا امام مالک باب ماجاء فی قیام رمضان)

☆ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح ادا کرتے تھے۔ ان دونوں احادیث کی اسناد صحیح ہیں۔

(سنن الکبریٰ ج ۲: ۴۹۶، مصنف عبدالرزاق ج ۳: ۲۶۱)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت تراویح اور نماز وتر ادا فرماتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲: ۳۹۳، زجاج المصنح ج ۲: ۳۰۷)

☆ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لوگوں کا امام مقرر کیا اور وہ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱: ۲۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲: ۳۹۳)

☆ امام ترمذی فرماتے ہیں، اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ سے مروی ہے۔

(جامع ترمذی ج ۱: ۱۳۹)

بخاری کی جس روایت کو غیر مقلد آٹھ تراویح کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعت ادا کیں، اس سے مراد آٹھ رکعت تہجد اور تین وتر ہیں۔ ہمارے موقف کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے یہ حدیث تہجد کے عنوان کے تحت درج کی نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آٹھ رکعت وہ ہیں جو آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام سال ادا فرماتے تھے۔

8- نماز جنازہ میں قرأت جائز نہیں:

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ یا کوئی اور سورت بطور قرأت جائز نہیں، اس میں ثناء، درود اور دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ اگر سورہ فاتحہ بطور حمد و ثناء پڑھے تو حرج نہیں۔

☆ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ (موطا امام مالک: ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳: ۲۹۹)

☆ امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرنی چاہیے۔ نماز جنازہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا ہے اور پھر میت کے لیے دعا مانگنا ہے۔ (جامع ترمذی ابواب الجنائز ج ۱: ۱۹۹)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں قرآن کریم سے کچھ مقرر نہیں فرمایا۔ (زجاج المصنح کتاب الجنائز)

☆ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میت پر نماز جنازہ پڑھتے وقت پہلی تکبیر کہہ کر ثناء پڑھی جائے، دوسری تکبیر پر آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور تیسری تکبیر پر میت کے لیے دعا پڑھی جائے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیر لیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳: ۲۹۹، مصنف امام عبدالرزاق ج ۳: ۴۹۱)

☆☆☆☆

تقلید کے لغوی معنی ہیں ”گردن میں پٹا ڈالنا“ اور اصطلاحی معنی ہیں ”دلیل جانے بغیر کسی کے قول و فعل کو صحیح سمجھتے ہوئے اسکی پیروی کرنا“۔

انسان زندگی کے ہر شعبے میں کسی نہ کسی کی پیروی کرتا ہے۔ پرائمری تعلیم کے حصول سے لے کر کسی بھی پیشہ یا ہنر کے درجہ کمال کو پہنچنے تک ہر کوئی اپنے اساتذہ یا اس ہنر کے ماہرین کی تقلید کرنے پر مجبور ہے۔

علم دین کا معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ہر شخص یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ قرآن و حدیث سے خود مسائل اخذ کرے کیونکہ اسکے لیے صرف عربی جاننا کافی نہیں بلکہ فقیہ و مجتہد کی شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”جس میں اجتہاد کی شرائط موجود نہ ہوں، اسے از خود کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے مسئلہ اخذ کرنا جائز نہیں۔“ (ابواب الجنائز، جامع ترمذی) یہی بات غیر مقلدوں کے پیشوا ابن قیم نے اعلام الموقعین میں تحریر کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے کہ پتھر لگنے سے ہمارے ایک ساتھی کا سر زخمی ہو گیا۔ رات کو اس پر غسل واجب ہوا تو اس نے اپنے دیگر ساتھیوں سے پوچھا، کیا آپ لوگ مجھے تیمم کی رخصت دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں کیونکہ آپ تو پانی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس نے غسل کیا تو اسکی موت واقع ہو گئی۔

جب ہم آقا و مولیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے یہ واقعہ عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قتلوه قتلہم اللہ الا سالوا اذا لم يعلموا فانما شفاء العی السوال۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ انہیں قتل کرے۔ جب وہ نہیں جانتے تھے تو پوچھ لیتے۔ بیشک سوال کرنا (لا علمی کی) بیماری کے لیے شفاء ہے۔ (مشکوٰۃ باب التیمم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مجتہدین صحابہ سے فتویٰ نہ لینے کی وجہ سے عام صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کے عتاب کے ایسے مرتکب ہوئے کہ آپ نے انکے لیے قتلہم اللہ فرمادیا تو ایسے جاہل مولویوں کا کیا حال ہوگا جو سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ دین کے ارشادات سے منہ موڑ کر قرآن و حدیث کے من مانی معانی و مطالب بیان کرتے ہیں، خود تو گمراہ ہیں، سادہ لوح سنیوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تقلید بہت ضروری ہے۔

کسی فقیہ کے قول پر شرعی دلیل کے تحت عمل کرنا تقلید شرعی ہے جس کا فرض ہونا اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔  
ارشاد ہوا، ”اور مسلمانوں سے یہ تو ہونی نہیں سکتا کہ سب کے سب ٹھکیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرسانیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔“ (التوبہ: ۱۲۳، کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر عالم و فقیہ بنا ضروری نہیں لہذا غیر مجتہد یا غیر عالم کو مجتہد یا عالم کی تقلید کرنی چاہیے۔  
دوسری جگہ فرمایا، یٰٰنَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوْا اللّٰهَ وَ اطِيعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ ”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور انکی جو تم میں سے حکم والے ہوں۔“ (النساء: ۵۹)

واری باب الاقتداء بالعلماء میں ہے، ”اولی الامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں۔“

امام ابو بکر بھصا ص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اولی الامر“ سے مسلمان حاکم یا فقہاء یا دونوں مراد ہیں۔ (احکام القرآن ج ۲: ۲۵۶)

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس سے مراد علماء لینا اولیٰ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳: ۳۳۳)

اس آیت کے تحت تفسیر جمل میں ہے، یہ آیت شریعت کے چاروں دلائل کی قوی دلیل ہے یعنی کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اجماع اور قیاس۔  
اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا نیز ان علماء و فقہاء کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے کلام کے شارح ہیں، اسی اطاعت کا نام تقلید ہے۔

صحابہ کرام براہ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے اس لیے انہیں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں تھی۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحب علم صحابی کی تقلید کیا کرتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے، ”جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔“ (بخاری)

یہی تقلید شخصی ہے جو دو صحابہ میں بھی موجود تھی۔ ”فقہاء صحابہ کرام“ کے عنوان کے تحت پہلے بیان کیا جا چکا کہ دو صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے



تھے اور دوسرے لوگ ان کی تقلید بھی کرتے تھے۔

ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیے،

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ -

”اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔“ (الانبیاء: ۷)

صدر الافاضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”کیونکہ ناواقف کو اس سے چارہ ہی نہیں کہ واقف سے دریافت کرے اور مرضی جہل کا علاج یہی ہے کہ عالم سے سوال کرے اور اسکے حکم پر عامل ہو۔ اس آیت سے تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔“ (خزانة العرفان)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سرکارِ دو عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا، بیشک ایک شخص نماز پڑھے گا، روزے رکھے گا، حج اور جہاد بھی کرے گا لیکن وہ منافق ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”وہ اپنے امام پر طعن زنی کی وجہ سے منافق ہوگا۔ عرض کی، امام کون ہے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فاسئلوا اهل الذکر..... الخ۔ (تفسیر زمخشری)

اس حدیث مبارکہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ وغیر ائمہ دین پر طعن زنی کرتے ہیں اور خود نفس امارہ اور شیطان ملعون کے مقلد بنے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ رب تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق ہیں،

”بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا، اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا، اور اسکے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اسکی آنکھوں پر پردہ ڈالا، تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے، تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔“ (الجماعیہ: ۲۳)

آخر میں یہ سمجھ لیجیے کہ تقلید کن مسائل میں جائز ہے؟ علامہ اسماعیل حق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”آیت کریمہ میں جس تقلید کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عقائد اور اصول دین کو دلائل کے بغیر محض کسی کے کہنے پر مان لیا جائے کیونکہ تقلید صرف فروعی مسائل اور عملیات میں ہے، اصول دین اور اعتقادی مسائل میں تقلید جائز نہیں بلکہ ان میں نظر و استدلال ضروری ہے۔“ (تفسیر روح البیان: سورہ صود: ۱۰۹)

چار مذاہب کیسے بنے؟

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب الخیرات الحسان کے دوسرے مقدمہ میں لکھتے ہیں، تمام ائمہ مجتہدین و علماء عالمین کے بارے میں یہ اعتقاد رکھو کہ وہ سب ہدایت اور رضائے الہی پر ہیں اور ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ وہ سب تمام حالات میں ماجور ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جب تمہارے پاس اللہ کی کتاب آئے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اسے چھوڑنے میں کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو میری سنت پکڑ لو ورنہ میرے صحابہ کا فرمان راہنما بنا لو کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کا دامن تھام لو گے ہدایت پاؤ گے۔ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ میرے بعد مذاہب میں فروعی اختلافات ہونگے اور یہ اختلافات صحابہ ہی کے زمانے سے ہونگے اور یہ زمانہ رشد و ہدایت کا زمانہ تھا جس کے خیر القرون ہونے کی گواہی دی گئی۔ تو جب صحابہ میں فروعی اختلاف ہوگا تو انکے بعد والوں میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے کیونکہ ہر وہ صحابی جو فقہ و روایت میں مشہور ہے، اس کا قول ایک جماعت نے قبول کیا۔ ان تمام چیزوں کے باوجود حضور ﷺ نے نہ صرف اس فروعی اختلاف پر رضامندی کا اظہار کیا بلکہ اس اختلاف کو امت کے لیے رحمت کا باعث قرار دیا۔ اور امت کو اختیار دیا کہ صحابہ میں سے جس کے قول پر چاہیں عمل کریں۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کے بعد مجتہدین امت میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کر لینا جائز رہا کیونکہ یہ حضرات صحابہ ہی کے نقش قدم پر ہیں۔ اس بارے میں ایک دلیل صحابہ کرام کا بدر کے قیدیوں کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت ابو بکر رحمہ اللہ اور انکے ساتھیوں نے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا

مشورہ دیا جبکہ حضرت عمر رحمہ اللہ نے قیدیوں کو قتل کرنے کی رائے دی۔ رسول کریم ﷺ نے پہلے قول پر فیصلہ دیا۔ جب فدیہ لیا گیا تو سورۃ الانفال کی

آیت ۶۷ نازل ہوئی اور قرآن نے دوسری رائے کو پسند کرتے ہوئے اسے افضل قرار دیا۔ اگرچہ دونوں آراء صحیح تھیں کیونکہ اگر پہلی رائے غلط ہوتی تو حضور ﷺ اس کے مطابق فیصلہ نہ فرماتے، البتہ بہتر و افضل دوسری رائے کو قرار دیا گیا۔ (۳۱ تا ۳۸، ملخصاً)

مولانا سید نعیم الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، سید عالم ﷺ کا اس دینی معاملہ میں صحابہ کی رائے دریافت فرمانا مشروعیت اجتہاد کی دلیل ہے۔ (خزانة العرفان)

تابعین و تبع تابعین کے دور میں سینکڑوں مجتہدین اور ان کے مذاہب وجود میں آئے مگر آخر کار مذاہب اربعہ کے سوا سب معدوم ہو گئے۔ یہ بارگاہ الہی میں ان چاروں مذاہب کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

اگر ایک اور زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنا آقا و مولیٰ ﷺ کی ایک ادا ہے اور اس کے منسوخ ہو جانے کے بعد، رفع یدین نہ کرنا بھی حضور ﷺ ہی کی ایک ادا ہے۔ تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ رب تعالیٰ کو اپنے محبوب رسول ﷺ کی تمام ادائیں پسند تھیں اسی لیے اس نے مذاہب اربعہ کی صورت میں اپنے محبوب کی تمام اداؤں کو محفوظ فرما دیا ہے۔

ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کیوں:

حنفی مذہب، مالکی مذہب، شافعی مذہب اور حنبلی مذہب چاروں حق ہیں اور چاروں اہلسنت و جماعت ہیں۔ ان کے عقائد یکساں ہیں البتہ صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے۔ ان چاروں میں سے جس کی بھی کی تقلید کی جائے صحیح ہے کیونکہ اگر مجتہد سے اپنے اجتہاد میں خطا ہو جائے پھر بھی وہ گناہگار نہیں بلکہ اس اجتہاد میں اس کی تقلید بھی صحیح ہوگی۔

”علامہ کردری رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کی کہ دو مجتہد جو دو مختلف قول کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے دو رسول دو مختلف شریعتیں لے کر آئے، وہ دونوں صحیح اور حق ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۳۷)

تبع تابعین اور ان کے بعد فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت مذکورہ چار مذاہب میں منحصر ہو گیا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں، ”اہلسنت تین چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہو گئے اور فروعی مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۶: ۷۰۵)

تفسیر صاوی میں ہے کہ ”ان چاروں مذاہب کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ بظاہر صحابہ کرام کے قول اور حدیث صحیح اور کسی آیت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، بسا اوقات یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی مراد لینا اور ان کی حقیقت کو نہ سمجھنا کفر کی جڑ ہے۔“ (سورۃ الکہف، زیر آیت ۲۳)

جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان چار مذاہب کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں۔ اسی لیے تمام اکابر محدثین بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، دارمی، طحاوی وغیرہ رحمہم اللہ کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں۔ امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام نسائی کا مقلد ہونا تو خود غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی نے ”المطلحہ“ میں بیان کیا ہے۔ جب ایسے جلیل القدر محدثین، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہیں تو پھر چند کتابیں پڑھے ہوئے اگر خود کو تقلید سے بے نیاز سمجھیں تو کیا یہ گمراہی نہیں ہے؟

غیر مقلدوں کے پیشوا مولوی محمد حسین بنا لوی نے ”اشاعت السنۃ“ میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا، ”پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر کو اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔“ (شیشے کے گھر: ۲۶)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو شخص بھی امام اعظم کی تقلید نہیں کرتا وہ بہر حال کسی نہ کسی ”مولوی صاحب“ کی تقلید ضرور کرتا ہے۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ موجودہ پُرفتن دور کے کسی مفاد پرست مولوی صاحب کی تقلید کرنے کی بجائے اُس جلیل القدر امام اعظم ﷺ کی تقلید کی جائے جس نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مبارک زمانہ میں آنکھ کھولی اور ان کی زیارت کی، اور جس کی عظمت پر اکابر ائمہ دین و محدثین کرام متفق ہیں۔



غیر مقلد عالم مولوی وحید الزماں صاحب نے اپنے ہم مسلک لوگوں سے یہی تلخ سوال کیا تھا جس کا جواب اب تک انکے ذمہ ہے، ”ہمارے اہلحدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے..... بھائیو! ذرا غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ، شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ یا ابن قیم اور شوکانی، جو ان سے بہت متاخر ہیں، انکی تقلید کی کیا ضرورت؟“۔  
(حیات وحید الزماں: ۱۰۲)

اکثر غیر مقلد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پر بڑا اعتماد کرتے ہیں اور انہیں اپنا پیشوا بھی گردانتے ہیں حالانکہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حنفی مقلد ہیں اور فرماتے ہیں، ”صحابہ کرام سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگ بغیر انکار کیے کسی نہ کسی عالم کی ہمیشہ تقلید کرتے رہے، اگر یہ باطل ہوتا تو علماء ضرور انہیں منع کرتے“۔ ان کی معروف کتاب ”عقد الجید“ سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ شاید کہ کسی دل میں اتر جائے یہی بات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”جاننا چاہیے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے روگردانی میں بہت بڑا فساد اور نقصان ہے۔ ہم اس کو چند طریقوں سے بیان کرتے ہیں:-

اول یہ کہ امت نے اجماع کر لیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے۔ تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا۔ اس کی اچھائی پر عقل دلالت کرتی ہے کیونکہ شریعت نقل اور استنباط کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ نقل صرف اسی صورت میں صحیح ہوگی جبکہ ہر طبقہ اپنے سے پہلے والوں سے مصلحا شریعت حاصل کرے اور استنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تاکہ انکے اقوال سے باہر نہ جائیں کہ کہیں اجماع کے خلاف نہ ہو جائے اور تاکہ انکے اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور اگلوں سے اس میں مدد لی جائے۔ کیونکہ تمام صنعتوں مثلاً سنار و لوہار کا کام، طب، شاعری، تجارت اور رنگ ریزی وغیرہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ متعلقہ فن کے ماہرین کے ساتھ کام کیا جائے۔

جب یہ متعین ہو گیا کہ شریعت کی معرفت میں سلف کے اقوال ہی پر اعتماد ضروری ہے تو یہ بھی لازم ہوا کہ انکے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو، صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں، اور یہ کہ منقول ہوں کہ ان محتملات میں رائج، مرجوح سے ظاہر ہو، اور عام کی تخصیص مذکور ہو، متضاد اقوال میں تطبیق ہو، احکام کی علینیں بیان کی گئی ہوں، ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں۔ اور اس پچھلے زمانے میں ان چار مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے سوا کوئی مذہب ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں۔“

اس اقتباس سے معلوم ہو گیا کہ شریعت کی معرفت، نقل اور استنباط پر موقوف ہے اور ان دونوں کے لیے اسلاف کے اقوال جاننا ضروری ہے نیز اسلاف میں سے صرف ائمہ اربعہ کے اقوال صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہیں لہذا انہی میں سے کسی امام کی تقلید ضروری ہے۔

مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاضل جلیل علامہ سید احمد مصری طحطاوی رحمہ اللہ حافیہ دُر مختار میں لکھتے ہیں،

”جو شخص جمہور اہل علم و فقہ اور سوادِ اعظم سے جدا ہو جائے تو وہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہوا، جو اسے دوزخ میں لے جائے گی۔ اے مسلمانو! تم پر فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اسکا حافظہ و کارساز رہنا اہلسنت کی موافقت میں ہے اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا اور دشمن بنانا سنیوں کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے، اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی و جہنمی ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ مطبوعہ لاہور ج ۶: ۶۷۰)

ایک ہی امام کی تقلید کیوں؟

ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ صرف ایک ہی امام کی تقلید کیوں کی جائے؟ اگر بعض مسائل میں ایک امام کی تقلید کی جائے اور بعض میں دوسروں کی تو کیا حرج ہے؟ اسکے جواب میں چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو کوئی جس امام کا مقلد ہو، وہ تمام امور میں اسی کی تقلید کرے۔ لہذا بعض مسائل میں ایک امام کی اور بعض میں دوسروں کی تقلید کرنا اجماع امت کے خلاف ہے اور گناہ ہے۔

دوسرا حرج یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ایک امام کی تقلید چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید کرنا کس بناء پر ہوگا؟ یا تو اسکی بنیاد دلیل کے قوی و ضعیف ہونے پر ہوگی، اس صورت میں تقلید کا وجود نہ رہے گا کیونکہ تقلید تو دلیل جانے بغیر امام کا قول تسلیم کرنا ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ دلیل کے قوی یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا؟ کیا وہ جو طہارت کے مسائل سے بھی کما حقہ آگاہ نہ ہو؟؟؟

سرف فقیہ کی تعریف سمجھ لیجیے تاکہ ائمہ مجتہدین کی عظمت سمجھ میں آ سکے۔

”فقہ وہ ہوتا ہے جو تمام احکام شرعیہ فرعیہ کے استنباط صحیح کا ماہر ہو اور استنباط صحیح اور اجتہاد کی شرائط کا حامل ہو۔“ اب اجتہاد کی شرائط بھی جان لیجیے۔  
 ”قرآن اور سنت کے لغوی اور شرعی معانی پر دسترس ہو، اصول فقہ کے تمام ضوابط یعنی خاص، عام، امر، نہی، مشترک، مأول، ظاہر، خفی، نص، مفسر، محکم، مشکل، مجمل، متشابہ، حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ، عبارة النص، دلالة النص، اشارة النص، اقتضاء النص وغیرہ کو جانتا ہو، اور ان تمام طریقوں کا علم اسے قرآن کی طرح سنت میں بھی حاصل ہو، نیز وہ قیاس کے تمام طریقے اور ان کی شرائط کو جانتا ہو۔“ (المنار ونور الانوار)

ایک امام کو چھوڑ کر کبھی دوسرے امام کی تقلید کرنے کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی آسانی کو دیکھتے ہوئے کچھ مسائل میں ایک امام کی تقلید کر لی اور پھر جن مسائل میں آسانی دوسرے امام کے قول میں دیکھی تو انہیں پسند کر لیا اور انکی تقلید کرنے لگے۔ یہ شریعت کی پیروی نہیں بلکہ ہوائے نفس کی پیروی ہے۔ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی مذمت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ - ”کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا۔“ (الفرقان: ۳۳، کنز الایمان)

بعض مسائل میں ایک امام کی اور بعض میں دوسرے امام کی پیروی کرنے میں ایک حرج یہ بھی ہے کہ یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن کریم یہ حکم دیتا ہے کہ ایک راستے پر چلو اور کئی راستوں پر نہ چلو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ - ”چند راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی، یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔“ (الانعام: ۱۵۳)

آخر میں غیر مقلدوں کے متعلق صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قادری رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجیے۔ وہ فرماتے ہیں،

”تمام مسلمانوں سے الگ غیر مقلدوں نے ایک راہ نکالی کہ تقلید کو حرام و بدعت کہتے اور ائمہ دین کو سب و شتم سے یاد کرتے ہیں مگر حقیقت میں تقلید سے خالی نہیں۔ ائمہ دین کی تقلید تو نہیں کرتے مگر شیطان لعین کے ضرور مقلد ہیں۔ یہ لوگ قیاس کے منکر ہیں اور قیاس کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ یہ تقلید کے منکر ہیں اور تقلید کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ مطلق تقلید فرض ہے اور تقلید شخصی واجب ہے۔“ (بہار شریعت حصہ اول: ۵۱)

امام اعظم کا ادب:

سیدنا امام اعظم کا ادب نزول برکات کا ذریعہ اور ان کی بے ادبی دونوں جہان میں نقصان اور بُرے خاتمے کا باعث ہے۔ مشہور غیر مقلد مولوی محمد ابراہیم میرسیا لکھنؤ کی واردات قلبی کا حال انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں،

”ہر چند کہ میں گناہگار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابو عبد اللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبد المنان صاحب مرحوم محدث وزیر آبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگان دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے حسن عقیدت نزول برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لیے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضل عیم سے کوئی فیض اس ذرہ بے مقدار پر نازل کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا، یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا، گویا ”ظلمت بعضها فوق بعض“ کا نظارہ ہو



گیا۔

معاذ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالاکہ ”یہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو“۔ میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے تو وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دو پہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں (یعنی غیر مقلدوں) سے جن کو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حسن عقیدت نہیں، کہا کرتا ہوں کہ ”میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ مکرہین معارج قدسہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے،

افتحارونہ علی ما یروی۔“ میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا، اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔ لہذا واللہ ولی الہدایہ۔ اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں اور اپنے (غیر مقلد) ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگان دین سے خصوصاً ائمہ متبوعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حسن ظن رکھیں اور گستاخی اور شوخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہان میں موجپ خسران و نقصان ہے۔..... الخ

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم شد از لطف رب

(تاریخ اہل حدیث: صفحہ ۷۱، ۷۲)

اس کتاب میں وہ اپنے استاد محدث عبدالمنان وزیر آبادی کے تذکرے میں جنہیں مشہور غیر مقلد مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ”اس دور کا امام بخاری“ قرار دیا تھا، لکھتے ہیں، ”آپ ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔“ (ایضاً: ۳۳۷)

ان اقتباسات سے چار باتیں ثابت ہوئیں:-

- ۱۔ بزرگان دین خصوصاً ائمہ اربعہ سے حسن عقیدت برکتوں کے نزول کا ذریعہ ہے،
- ۲۔ ان بزرگوں کے متعلق برا خیال لانا یا ان کی گستاخی کرنا دونوں جہانوں میں نقصان اور ہلاکت کا باعث ہے،
- ۳۔ چونکہ غیر مقلد ائمہ دین کے گستاخ اور بے ادب ہیں اس لیے وہ گستاخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں،
- ۴۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے بے ادب کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔

لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ حبیب کبریا، سید الانبیاء، سید عالم ﷺ کے ذات والاصفات کے ساتھ حسن عقیدت نہیں رکھ سکتے اور انکی بارگاہ میں بے ادبی و گستاخی کے جملے کہنے سے باز نہیں رہ سکتے وہ ائمہ دین اور اولیاء کرام کا کیا ادب کریں گے؟ نیز جب بزرگان دین کی بے ادبی دونوں جہان میں نقصان و ہلاکت کا باعث ہے تو پھر سرکارِ دو عالم نور مجسم ﷺ کی بے ادبی کس قدر ہلاکت و عذاب کا باعث ہوگی!!!

حدیث قدسی ہے کہ رب تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے، من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ جس نے میرے ولی سے عداوت کی یا اسے ایذا دی، میرا اسکے خلاف اعلان جنگ ہے۔“ (بخاری)

اس حدیث کے تحت امام ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”جو بھی ائمہ دین میں سے کسی کی توہین کرے گا وہ راندہ بارگاہ ایزدی ہوگا اور غضب الہی کا مستحق بنے گا کیونکہ ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لی ہے اور جو اللہ سے جنگ کرے گا وہ ابدی ہلاکت میں پڑے گا۔“ مزید فرمایا، ”جس میں تھوڑی سی بھی عقل ہے وہ ضرور خاصانِ خدا کی شان میں توہین و تنقیص کے شائبہ سے بھی اجتناب و احتراز کرے گا اور دیندار انسان کا تو کہنا ہی کیا؟ ایک عقل مند اُن کی ایذا رسانی سے دور اور بہت دور رہے گا کیونکہ جس سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے وفات یافتہ لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔“ (الخیرات الحسان: ۶۲، ۶۱)

ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کا قول ہے، ”امام اعظم ﷺ کے متعلق بدگوئی وہی کرے گا جو یا تو اُن کے علم سے جاہل ہوگا یا پھر حاسد۔“ (تمییز الصحیفہ: ۳۰)

اس زمانے میں حاسدوں نے دور دراز کے شہروں کے محدثین کرام تک سیدنا امام اعظم ﷺ کے متعلق بے سرو پا من گھڑت باتیں پہنچا دیں تھیں تاکہ وہ

آپ سے متنفر ہو جائیں۔ لیکن جب ان محدثین کی امام اعظم یا ان کے کسی شاگرد سے ملاقات ہو جاتی تو حاسدوں کی سازش دم توڑ جاتی۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے دریافت کیا، یہ بدعتی کون ہے جو کوفہ میں نکلا ہے جس کی کنیت ابو حنیفہ ہے؟ اس پر آپ نے انہیں امام اعظم کے کچھ مشکل مسائل دکھائے۔ جب امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ان مسائل کو نعمان بن ثابت کی طرف منسوب دیکھا تو پوچھا، یہ عالم کون ہیں؟ جواب دیا، یہ ایک شیخ ہیں جن سے میری عراق میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ تو جلیل القدر عالم ہیں، تم جاؤ اور ان سے مزید علم حاصل کرو۔ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا، ”یہ وہی امام ابو حنیفہ ہیں جن سے آپ نے منع کیا تھا“۔ وہ حیران رہ گئے۔

جب امام اوزاعی رحمہ اللہ کی ملاقات امام اعظم رحمہ اللہ سے مکہ میں ہوئی تو انہی مسائل میں آپ سے بحث کی۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اس مسائل کی ایسی تشریح فرمائی کہ ملاقات کے اختتام پر امام اوزاعی نے فرمایا، ”میں اس شخص کے علم کی کثرت اور عقل کی وسعت پر رشک کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں کیونکہ میں غلطی پر تھا۔ تم ان کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ ان صفات سے مختلف ہیں جو مجھ سے (حاسدوں نے) بیان کی تھیں“۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۸)

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خواب میں سنا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں ابو حنیفہ کے علم کے پاس ہوں یعنی اس کی حفاظت اور قبول کرنا، راضی ہونا اور برکت نازل کرنا ان پر اور ان کے شاگردوں میں میرے ذمہ ہے۔ (ایضاً: ۱۷)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شان و عظمت اپنی کتاب میں تفصیلاً لکھنے کے بعد امام ابن حجر یوں تنبیہ کرتے ہیں، ”ذریعہ! کہیں آپ کا قدم بھی لغزش کھانے والوں میں اور آپ کی سمجھ بھی گمراہ ہونے والوں کے ساتھ گمراہ نہ ہو جائے کیونکہ اس طرح آپ خاسرین یعنی نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے اور آپ کا ذکر بھی ان کے ساتھ ہوگا جن کو رسوائی اور فضیحت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور آپ ایسی چیز (عذاب) کے اٹھانے والے ہو گئے کہ جس کا بوجھ اور تکلیف آپ برداشت نہیں کر سکیں گے اور آپ ایسے تاریک چٹیل میدان میں پھنس جائیں گے جس کے خطرات سے نجات مشکل ہے تو جس قدر ہو سکے سلامتی کی جانب سبقت کیجیے“۔

پھر فرماتے ہیں، ”بہت سے بری صفات والے لوگ جو اس امام اعظم اور بڑے عالم کے مرتبہ کو پہنچنے سے عاجز ہوئے وہ ان کے اہل زمانہ یا ان کے بعد والوں کے دلوں کو انکی محبت، تقلید، اتباع، اعتقاد، عظمت اور امامت سے ہٹانے میں ناکام رہے۔ امام اعظم پر انکی تنقید اور انگشت نمائی کسی بھی مسلک کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھا، کسی کی تدبیر سے آپ کو یہ رفعت نہ ملی۔ اور جس کو خدا بلندی عطا فرمائے اور اپنے وسیع خزانوں سے عطا کرے تو اسے کوئی پست نہیں کر سکتا اور نہ روک سکتا ہے۔ رب کریم ہمیں ائمہ کے حقوق ادا کرنے والوں میں بنائے اور ان لوگوں میں نہ بنائے جو قطع تعلق اور عاق ہو کر اپنی عزت کو گدلا کرتے ہیں“۔ (الخیرات الحسان: ۲۶۷، ۲۶۸)

ایک مجلس میں ابن ابی عاصمہ رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ کی ایک حدیث بیان کر کے کہا، تم لوگ اگر امام اعظم کو دیکھ لیتے تو ضرور ان سے محبت کرنے لگتے۔ پس تمہاری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ یہ شعر کہا گیا ہے، (ترجمہ)

”لوگو! تمہارا برا ہو، تمہارے باپ مر جائیں، ان پر ملامت کی زبان کو روک لو ورنہ وہ مقام پُر کرو جسے انہوں نے پُر کیا تھا یعنی ویسے بن کر دکھاؤ“۔ (تمییز: ۲۷)

علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

هذا مذهب النعمان خير المذاهب كذا القمر الوضاح خير الكواكب

تفقه في خير القرون مع النقي فمذهبه لا شك خير المذاهب

”یہ نعمان بن ثابت کا مذہب بہترین مذہب ہے جس طرح چاند خوب روشن ہے اور ستاروں سے بہتر ہے۔ یہ فقہ خیر القرون میں تقوے کے ساتھ مرتب ہوا، تو ان کا مذہب بلاشبہ بہترین مذہب ہے“۔ (مناقب للموفق: ۳۹۳)

محمود رحمہ اللہ نے جوابدال میں سے تھے، فرمایا، میں نے امام محمد کو بعد وصال خواب میں دیکھا تو پوچھا، کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا، ”مجھے بخش دیا اور فرمایا، اگر تمہیں عذاب دینا ہوتا تو تمہیں علم کا خزانہ نہ دیتا“۔ میں نے کہا، ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا، ”مجھ سے اوپر کے درجہ میں ہیں“۔ میں نے پوچھا،



اور امام ابو حنیفہ؟ فرمایا، ”وہ ابو یوسف سے بہت سے طبقے اوپر یعنی اعلیٰ علمین میں ہیں۔“ (تاریخ بغداد ج ۲: ۱۸۲)

امام ابن حجر کی رحمت اللہ کی دعا پر ہم اپنی کتاب کا اختتام کرتے ہیں، ”اے اللہ! ہمارا حشر اُن کے ساتھ فرما کیونکہ ہمیں اُن سے محبت ہے۔ اور جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ہمیں اُن کے حلقے میں داخل فرما، اور ہمیں اُن کا خادم بنا، اور ہم پر انکے بہترین حالات اور ظاہری کثیر کرامات واضح فرما، تاکہ ہم انکے پیروکاروں میں سے ہو جائیں، بیشک تو بخ، کریم، مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔“

يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خُبْرَكَ وَ حُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَ الْعَمَلَ الَّذِیْ یُتْلَفِیْ خُبْرَكَ

”اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوب بندوں کی محبت مانگتا ہوں اور ایسے عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا

دے۔“ (ترمذی)

اٰمِنْ بِجَاهِ النَّبِیِّ الْكَرِیْمِ عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ وَ اَصْحَابِهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَ التَّسْلِیْمِ

